عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

طلوعِ اسلام

دسمبر ۱۹۴۰ء

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

طلوعِ اسلام

کے

شائع کردہ پمفلٹوں کا سٹ

گزشتہ دو سال میں سیاست ہندیہ میں مسلمانوں سے متعلق کون کون سے اہم مسائل پیدا ہوئے اور اہل الرائے حضرات نے انھیں کتاب و سنت کی روشنی میں کس طرح دیکھا؟

اگر

آپ اپنے طور پر معلوم کرنا چاہیں تو آپکو دقت ہوگی

لیکن

اگر آپ ہم سے دریافت کریں تو ہم بڑی آسانی سے آپ کو بتا سکیں گے۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ ان پمفلٹوں میں موجود ہے جو اس دوران میں طلوع اسلام کی طرف سے شائع کئے جاتے رہے ہیں اور جو ہزاروں کی تعداد میں ملک میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ یہ پمفلٹ نہ صرف سیاست بلکہ دین کے اور شعبوں سے متعلق اہم مسائل پر بھی معلومات کا عمدہ ذخیرہ اپنے اندر رکھتے ہیں

سٹ میں حسب ذیل پمفلٹ موجود ہیں

(۱) واردھا اسکیم اور مسلمان — ۴۴ صفحات ۲ر
(۲) سوراجی مسلمان — ۴۳ صفحات ۲ر
(۳) زبان کا مسئلہ — ۲۶ صفحات ۲ر
(۴) خدا کی بادشاہت — ۸۲ صفحات ۲ر
(۵) اسلام اور مذہبی رواداری — ۲۲ صفحات ۲ر
(۶) متحدہ قومیت اور مولانا حسین احمد مدنی — ۶۲ صفحات ۲ر
(۷) عرضداشت بخدمت علمائے کرام — ۲۴ صفحات ۱ر
(۸) اشتراکیت اور اسلام — ۷۸ صفحات ۳ر
(۹) مسلمان کی زندگی — ۲۲ صفحات ۲ر
(۱۰) کانگریس بے نقاب — ۲۶ صفحات ۲ر
(۱۱) راشٹرپتی ابوالکلام آزاد — ۳۶ صفحات ۲ر
(۱۲) شخصیت پرستی — ۴۵ صفحات ۲ر
(۱۳) علم حدیث — ۴۲ صفحات ۲ر
(۱۴) جہانِ نو — ۸۰ صفحات ۴ر
(۱۵) اسلامی معاشرت — ۵۶ صفحات ۴ر

یعنی ۴۴۶ صفحات کا مجموعہ دو روپیہ دو آنے (۲؍۲) میں (علاوہ محصول ڈاک)

طلوع اسلام کے نمونے کے لئے ۴ر کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں

ناظم:- ادارہ طلوعِ اسلام۔ شمیم منزل۔ شیدی پورہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیات اجتماعیہ کا
ماہوار مجلہ

طلوعِ اسلام

دہلی

(دورِ جدید)

مرتب
اخوندزادہ حسین امام
جلد (۳) شمارہ (۱۲)

بدلِ اشتراک
سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی تین روپیہ
فی پرچہ آٹھ آنے

شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۴۰ء

فہرستِ مضامین

پیرس کی مسجد		
لمعات	ادارہ	۲ — ۱۴
مغتنمات	حضرت علامہ حافظ سید محب الحق صاحب	۱۵ — ۳۳
معارف القرآن کیا ہے؟	جناب غلام احمد صاحب پرویز	۳۴ — ۴۷
نقد و نظر	ادارہ	۴۸ — ۵۶
حقائق و عبر	ادارہ	۵۷ — ۶۴
مسلم کا دستور العمل	از جناب ماسٹر نور محمد صاحب	۶۵ — ۷۸
اپیل بنام ہمدردانِ ملت		۷۹

پیرس کی مسجد

(ضربِ کلیم)

(سنا ہے کہ لندن میں اسلامی کلچر کے مرکز اور مسجد کی تعمیر کی تجویز ہے)

مری نگاہ کمالِ ہنر کو کیا دیکھے
کہ حق سے یہ حرمِ مغربی ہے بیگانہ
حرم نہیں ہے، فرنگی کرشمہ بازوں نے
تنِ حرم میں چھپا دی ہے روحِ بت خانہ
یہ بت کدہ انہیں غارت گروں کی ہے تعمیر
دمشق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

(اقبالؒ)

لمعات

زمانہ کے تلاطم کے ہاتھوں جب ہندی مسلمانوں میں کچھ سیاسی شعور کے آثار نمایاں ہونے لگے تو ادھر ادھر سے مخالف قوتوں کے کان کھڑے ہوئے۔ ملوکیت کا طاغوتِ اکبر اپنی پوری تہرانی قوتوں کے ساتھ ایک طرف بساطِ حکومت پر انگریز کی جانشینی کے منصوبے باندھنے والا ہندو دوسری طرف یہ ہی دو قوتیں کم نہ تھیں کہ ہندو سیاست کے آلۂ کار مسلم قومیت پرستوں کا گروہ آگے بڑھ آیا اور ملّتِ اسلامیہ کی قوتوں کا بیشتر حصہ انہی کی مدافعت کی نذر ہو گیا۔ آپ مسلمانوں کی گذشتہ چند سال کی جد و جہد پر نگاہ ڈالئے نظر آجائے گا کہ اس سعی و عمل کا معتدبہ حصہ ان بکھیڑوں کو سلجھانے میں صرف ہو گیا جو ان قومیت پرست حضرات کی وجہ سے پیدا کئے گئے تھے۔ ہندو مسلم ایک قوم ہیں یا دو الگ الگ قومیں۔ ہندو اکثریت کی حکومت مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔ یا نہیں۔ مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت ہندؤوں سے الگ ہے یا نہیں۔ مذہب اسلام کو سیاست سے تعلق ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ غور فرمائیے۔ کہ اگر یہ چند نام نہاد مسلمان ہندو سیاست کے مہرے نہ بن جاتے تو ان میں سے کوئی مسئلہ بھی ایسا تھا جس کے اثبات کے لئے ذرہ برابر بھی کوشش کی ضرورت پڑتی؟ یہ وہ مسلّمات تھے جن میں کبھی کہیں اختلاف پیدا ہی نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کسی اختلاف کی گنجائش تھی یہ تو ہندو سیاست کی شاطرانہ چالیں تھیں کہ انہوں نے چند ایسے مسلمان ساتھ ملا لئے جنہوں نے ان مسائل کو متنازعہ فیہ بنا کر آگے بڑھایا۔ اور مسلمانوں کی وہ قوتیں جو مخالفین کے مقابلہ میں صرف ہونی تھیں ان پیدا کردہ مباحث کے تصفیہ میں ضائع ہو گئیں ضائع اس لئے کہ اگر یہ نیشنلسٹ حضرات ہندؤوں کے آلۂ کار نہ بنتے تو نہ یہ مباحث پیدا ہوتے نہ ان کے حل کے لئے کسی کوشش کی ضرورت پڑتی بہر حال ؎

سفینہ جبکہ کنارے پہ آ لگا غالب — خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہئے

وہ دور قریب قریب گذر گیا۔ اللہ تعالیٰ مسٹر جناح کی عمر اور ہمت میں برکت عطا فرمائے کہ ا
راسخ ادعائی مہیم سے راستہ کی یہ تمام خار دار جھاڑیاں ایک ایک کر کے اکھڑ گئیں اور ایک دنیا
دیکھ لیا کہ قومیت پرستوں کے یہ شاخسانے ہندو دام سیاست کے حلقوں کے سوا کچھ حقیقت
سے تھے فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

لیکن ہماری بدبختی کی داستان یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ اب مسلمانوں میں ایک اور گروہ پیدا ہو رہا
جن کی سعی و عمل کی نوعیت اور تنگ و دو کا دائرہ قومیت پرستوں سے الگ ہے لیکن نتیجہ کے اعتبار
ان سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ جس زمانہ میں وہ متنازعہ فیہ مسائل معرض بحث میں تھے جن کا ذکر اوپر کیا
جا چکا ہے تو یہ حضرات قومیت پرستوں کے مخالف تھے انہوں نے اپنی پوری کوشش قومیت پرستوں
.... کے دعاوی کی تردید میں صرف کی یہ ثابت کرنے
کے لئے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک متحدہ قوم نہیں بن سکتے۔ مغربی انداز جمہوریت مسلمانوں کے لئے
قابلِ قبول نہیں۔ مسلمان ایک جداگانہ تہذیب و تمدن کا حامل ہے اس کا مذہب۔ سیاست سے الگ
نہیں ہو سکتا۔ وغیر ذالک۔ ان حضرات کی آواز جمہور مسلمانوں کی آواز سے ہم آہنگ رہی اور اس طرح
انہیں ساتھ ساتھ مقبولیت بھی حاصل ہوتی چلی گئی۔ لیکن جب یہ دور ختم ہونے کو آیا تو غور سے دیکھنے پر
معلوم ہوا کہ یہاں ایک الگ گروہ سازی کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں اور اس کے لئے اس نظریہ کی تبلیغ
ہو رہی ہے۔ کہ جو کچھ قومیت پرست مسلمانوں کی طرف سے پیش ہو رہا ہے۔ وہ بھی غلط۔ اور جو کچھ جمہور
مسلمان (یا یوں کہیئے کہ مسلم لیگ) کی طرف سے کوشش ہو رہی ہے۔ وہ بھی باطل ؎

جرمِ او از سجدۂ تقصیر با ازدانۂ
نہ آں بیچارہ می سازی۔ نہ با ما ساختی!

ان حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے اتحاد۔ مرکزیت۔ تنظیم۔ اطاعت۔ حصولِ
حکومت۔ وغیرہ کی جتنی کوششیں ہو رہی ہیں۔ سب غیر اسلامی ہیں۔ نہ یہ مسلمان۔ مسلمان ہیں۔ نہ ان کی جدوجہد

اسلامی۔ یہ سب اس قابل ہیں کہ انہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے۔ اور ان کی سعی وعمل ایسی کہ انہیں نذرِ آتش کردیا جائے۔ اس کی تفصیل انہی کے الفاظ میں سنیئے۔

"ان کے یعنی (جمہور مسلمانوں کے) نزدیک پیشِ نظر مسئلہ کی نوعیت بس یہ ہے کہ "مسلمان" کے نام سے ایک قوم بن گئی ہے اس کے ہاتھ میں حکومت آجائے یا کم از کم اس کو سیاسی اقتدار نصیب ہوجائے۔ اس نصب العین تک پہنچنے کے لئے یہ جتنا بھی دماغ پر زور ڈالتے ہیں، اس کے سوا کوئی طریق کار انہیں نظر نہیں آتا کہ دنیا کی قومیں عموماً جو تدابیر اختیار کیا کرتی ہیں وہی اس قوم کے لئے بھی اختیار کی جائیں جن اجزاء سے یہ قوم مرکب ہے ان کو جوڑ کر ایک ٹھوس مجموعہ بنایا جائے۔ ان میں نیشنلزم کا جوش پھونکا جائے ان کے اندر مرکزی اقتدار ہو۔ ان کے نیشنل گارڈس منظم ہوں۔ ان کی ایک قومی ملیشیا تیار ہو۔ وہ جہاں اکثریت میں ہوں وہاں اقتدار اکثریت (Majority Rule) کے مسلم جمہوری اصول پر ان کے قومی اسٹیٹ بن جائیں اور جہاں ان کی تعداد کم ہو وہاں ان کے حقوق کا تحفظ ہوجائے۔ ان کی انفرادیت اسی طرح محفوظ جس طرح دنیا کے ہر ملک میں ہر قومی اقلیت (National Minority) اپنی انفرادیت محفوظ کرنا چاہتی ہے ملازمتوں اور تعلیمی اور انتخابی ادارات میں ان کا حصہ مقرر ہو۔ اپنے نمائندے یہ خود چنیں۔ وزارتوں میں ایک قوم کی حیثیت سے یہ شریک کئے جائیں وغیر ذالک من القومیات۔ یہ سب باتیں کرتے ہوئے یہ لوگ۔ امت جماعت ملت۔ ملیت۔ امیر۔ اطاعتِ امیر۔ اور اس قسم کے دوسرے الفاظ اسلامی اصطلاحات سے لیکر بولتے ہیں، مگر اساسی فکر کے اعتبار سے یہ سب ان کے لئے مذہب قوم پرستی کی اصطلاحوں کے مترادفات ہیں جو خوش قسمتی سے پرانے ذخیرے میں گھڑے گھڑائے مل گئے اور غیر اسلامی فکر کو چھپانے کے لئے اسلامی رنگ کے غلاف کا کام دینے لگے اصولی حکومت کی نوعیت آپ سمجھ لیں تو آپ کو یہ بات سمجھنے میں ذرہ برابر بھی دقت

پیش نہ آئے گی کہ اس کی بنا رکھنے کے لئے یہ طرزِ فکر۔ یہ اندازِ تحریک یہ عملی پروگرام نقطۂ آغاز کا بھی کام نہیں دے سکتا۔ کجا کہ تعمیر کے انجام تک پہونچا سکے۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کا ہر جزو ایک تیشہ ہے جس سے اصولی حکومت کے تخیل کی جڑ کٹ جاتی ہے"۔

ایک دوسرے مقام پر ہے

"ہمارے ہاں یہ سمجھا جارہا ہے کہ بس مسلمانوں کی تنظیم تمام دردوں کی دوا ہے۔ "اسلامی حکومت" یا "آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام" کے مقصد تک پہونچنے کی سبیل یہ سمجھی جارہی ہے کہ مسلمان قوم جن افراد سے مرکب ہے وہ سب ایک مرکز پر جمع ہوں۔ متحد ہوں۔ اور ایک مرکزی قیادت کی اطاعت میں کام کریں۔ لیکن در اصل یہ قوم پرستانہ پروگرام ہے جو قوم بھی اپنا بول بالا کرنے کے لئے جدوجہد کرنا چاہے گی وہ یہی طریق کار اختیار کرے گی۔ خواہ وہ ہندو قوم ہو۔ یا سکھ۔ یا جرمن۔ یا اطالوی قوم کے عشق میں ڈوبا ہوا ایک لیڈر جو موقع و محل کے لحاظ سے مناسب چالیں چلنے میں ماہر ہو اور جس میں حکم چلانے کی خاص قابلیت موجود ہو ہر قوم کی سربلندی کے لئے مفید ہوتا ہے۔ خواہ وہ مونجے ہوں یا ساورکر۔ یا ہٹلر۔ یا مسولینی ایسے ہزاروں لاکھوں نوجوان جو قومی عزائم کے لئے اپنے لیڈر کی اطاعت میں منظم حرکت کر سکتے ہوں ہر قوم کا جھنڈا بلند کر سکتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ جاپانیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ یا چینیت پر۔ پس اگر مسلمان ایک نسلی و تاریخی قومیت کا نام ہے اور پیش نظر مقصد صرف اس کا بول بالا کرنا ہے تو اس کے لئے واقعی یہی سبیل ہے جو تجویز کی جارہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ایک قومی حکومت بھی میسر آسکتی ہے۔ اور بدرجۂ اقل وطنی حکومت میں اچھا خاصہ حصہ بھی مل سکتا ہے۔ لیکن اسلامی انقلاب۔ اور اسلامی حکومت تک پہونچنے کے لئے یہ پہلا قدم بھی نہیں بلکہ **الٹا قدم** ہے۔ یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیرکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے

ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں .... یہ اخلاقی حالت جس قوم کی ہو اس کی تمام کالی اور سفید بھیڑوں کو جمع کر کے ایک منظم گلہ بنا دینا اور سیاسی تربیت سے ان کو لومڑی کی ہوشیاری سکھانا۔ یا فوجی تربیت سے ان میں بھیڑیئے کی درندگی پیدا کرنا جنگل کی فرمانروائی حاصل کرنے کے لئے تو ضرور مفید ہو سکتا ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ اس سے اعلاء کلمۃ اللہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کون ان کی اخلاقی برتری تسلیم کریگا کس کی نگاہیں ان کے سامنے عزت سے جھکیں گی؟ کس کے دل میں انہیں دیکھکر اسلام کے لئے احترام کا جذبہ پیدا ہوگا؟ کہاں ان کے "انفاس قدسیہ" سے یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر دکھائی دے سکے گا؟ کس جگہ ان کی روحانی امامت کا سکہ جمیگا؟ اور زمین پر بسنے والے کہاں ان کا خیر مقدم اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے کریں گے! اعلائے کلمۃ الحق جس چیز کا نام ہے اس کے لئے تو صرف ان کارکنوں کی ضرورت ہے جو خدا سے ڈرنے والے اور خدا کے قانون پر فائدہ و نقصان کی پرواہ کئے بغیر جمنے والے ہوں۔ خواہ وہ اس نسلی مسلمان قوم میں سے ملیں یا کسی دوسری قوم سے بھرتی ہو کر آئیں"۔

ہم نے ان حضرات کی روش کو قومیت پرستوں کے مسلک سے زیادہ خطرناک اس لئے کہا ہے کہ قومیت پرستوں کے دعاوی کی کمزوری "بداہتۃً" نظر آجاتی تھی اور تھوڑی سی کوشش سے عوام کو ان کے دامِ فریب سے آگاہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جو نصب العین یہ حضرات پیش کر رہے ہیں اس کے صحیح اور خالص اسلامی ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کی اس بناء پر مخالفت کی جا سکتی ہے۔ اس لئے جوشیلے نوجوانوں کا جو بالعموم جذبات کی ہر رو میں بہ جانے کے لئے تیار ہوتے ہیں ان کے ساتھ ہو جانا کچھ مستبعد نہیں اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ نصب العین اسلامی ہے تو پھر اس سے خطرہ کیا ہے؟ یہ سوال جتنا اہم ہے اتنا ہی نازک بھی ہے اس لئے اس کی اہمیت و نزاکت کا تقاضا ہے کہ اس پر بدقتِ نظر غور کیا جائے۔

ہم نے اس سوال کے متعلق ضمناً سال گذشتہ بھی کچھ لکھا تھا اور اس وقت جو کچھ گذارش کیا جائے اسے انہی اشارات کی اجمالی تفصیل سمجھئے۔ سب سے پہلے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں یہ دیکھ لیجئے کہ مسلمانوں کی سیاست کے متعلق ہمارا نظریہ کیا ہے۔ ہمارا نظریہ۔ نظریہ نہیں بلکہ ایمان ہے کہ

(۱) مسلمان دنیا میں اللہ کے سوا کسی کا محکوم نہیں ہو سکتا۔ حکومت اس کی اپنی ہونی چاہئے

(۲) اس کی اپنی حکومت سے مراد ان انسانوں کی حکومت نہیں جو اپنا نام مسلمان رکھتے ہوں۔ بلکہ ان کے خدا کی حکومت ہے، یعنی خدا کے ضابطۂ قوانین۔ قرآن کریم کی تنفیذ و ترویج۔ اسی کے مطابق امر و نہی۔

(۳) اس حکومت کا قیام و بقا ان لوگوں کے ہاتھوں سے ہو سکے گا جن کی سیرت خالص اسلامی قالب میں ڈھلی ہو۔ غیر اسلامی فکر و نظر کے لئے اس میں کہیں کوئی گنجائش نہیں۔

ہمارا یہ **ایمان** آج کا نہیں۔ بلکہ جس دن سے طلوعِ اسلام مطلعِ شہود پر آیا ہے۔ ہم اپنے اس **ایمان** کا اعلان کرتے چلے آرہے ہیں۔ لہذا اس باب میں ہمارا اور ہمارے پیشِ نظر حضرات کا کچھ اختلاف نہیں۔ اختلاف ہے تو اس نصب العین تک پہنچنے کے وسائل و طرق کا۔ اختلاف منزل کا نہیں رہگذر کا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہے۔ کہ ان حضرات کی روش فی الواقعہ خطرناک نتائج پیدا کرنے کی موجب ہو جائے گی۔ اس لئے ہم اس اختلافِ راہ کو اتنی اہمیت دے رہے ہیں یہ بھی واضح رہے کہ ہمیں ان حضرات کی حسنِ نیت کے متعلق کسی شبہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن سنکھیا خواہ دشمن کی حیثیت سے دانستہ دیا جائے۔ خواہ دوست کی حیثیت سے نادانستہ۔ اس کا نتیجہ تو ایک ہی ہوگا۔ اس لئے ہمارے نزدیک ان حضرات کی "نادان دوستی" قوم کے حق میں ویسی ہی ہلاکت آفریں ہے جیسے مخالفین کی "دانا دشمنی" قوموں کے عیوب و اسقام کو بالعموم دو شقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ بعض عیوب مفلسی۔ محکومیت۔ کمزوری اور پراگندگی کی بنا پر ہوتے ہیں اور بعض دولت۔ حکومت۔ قوت اور جتھ بازی کی وجہ سے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قوت و دولت کے پیدا کر دینے

عیوب عالم انسانیت میں وہ فساد برپا کر دیتے ہیں جس میں آج یورپ اور اس کے وابستگانِ دامن بری طرح مبتلا ہیں لیکن کمزوری اور مفلسی سے پیدا شدہ عیوب بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے کچھ کم انسانیت سوز نہیں ہوتے۔ ہندوستان کے مسلمان جس دورِ انحطاط سے گذر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں وہ تمام عیوب موجود ہیں جو ایک کمزور اور گری ہوئی قوم میں ہونے چاہئیں اس وقت مصلحینِ ملت (یا یوں سمجھئے کہ مسٹر جناح اور ان کے مؤیدین) کی تمام توجہات اس نقطہ پر مرکوز ہیں کہ قوم سے کمزوری اور پراگندگی کو دور کیا جائے تاکہ ان سے پیدا شدہ عیوب و نقائص دور ہو جائیں۔

.... ہمارے یہ معترضین حضرات جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ نہیں۔ چونکہ قوم کی جو اخلاقی حالت آج ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ قوت آ جانے کے بعد ان میں وہی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی جو دوسری قوموں میں ہوتی ہیں۔ اس لئے ہر وہ کوشش جو ان میں قوت تنظیم پیدا کرنے کے لئے صرف کی جا رہی ہے۔ مردود و ملعون ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ اگر قوت کو ضابطۂ الٰہی کے تحت نہ رکھا جائے تو اس سے فساد برپا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس خوف سے قوت پیدا کر لے کے خیال کو باطل اور اس کی کوششوں کو مستحق نفرین قرار دیدینا کہاں کی دانش اطواری ہے۔ کوشش یہ کیجئے کہ قوت آنے کے بعد ان میں خرابیاں نہ پیدا ہوں۔ اس قسم کی کوششوں سے آپ کو کون روکتا ہے۔ لیکن یہ کوشش قوم کے ساتھ رہ کر ایک طبیبِ مشفق کی حیثیت سے بروئے کار آ سکتی ہیں۔ الگ کھڑے ہو کر قوم کو کوسنے سے کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

پھر ذرا اس چیز پر بھی غور کیجئے کہ قوم اس وقت ہندی سیاست کی کس کشمکش میں مبتلا ہے ہندوؤں کی پوری قوتیں اس امر کے لئے صرف ہو رہی ہیں کہ مسلمانوں کی جداگانہ ہستی کو فنا کر دیا جائے اور جس طرح اور بیسیوں قومیں ہندوؤں میں جذب ہو کر اپنی ہستی کو ہمیشہ کے لئے کھو چکی ہیں۔ مسلمانوں سے بھی یہی کچھ کیا جائے۔ ہمارے ان معترضین کا خیال ہے کہ اس سے مسلمانوں کا کچھ نہیں بگڑتا۔ جب ہندوستان کے مسلمان۔ مسلمان ہی نہیں۔ تو ان کے رہنے سے کیا فائدہ ہے جو ان کے مٹنے سے افسوس ہوگا۔ یعنی ان کا نظریہ یہ ہے۔ کہ جس مریض کے قوٰے اس قابل نہ رہے ہوں کہ وہ صحت یاب ہو کر میدانِ جنگ میں جا کر لڑ سکے۔

اس کے علاج کی کوشش بیکار ہے۔ بہتر ہے کہ اسے انجکشن دے کر ہلاک کر دیا جائے۔ اس کے برعکس ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی صحت یابی کے لئے کوشش کیجئے۔ میدان جنگ میں لڑنے کے قابل نہ بھی ہو سکے گا تو ایک کنبہ کی پرورش کا کفیل تو ہوگا۔ کیا عجب کہ اس کے پرورش کردہ کنبہ میں سے وہ بچے پیدا ہوں جو آگے جا کر سپاہی ہی نہیں بلکہ جرنیل بن جائیں۔ یہ حضرات خود اپنی حالت پر غور فرمائیں ہم مانے لیتے ہیں کہ ان حضرات کے معیار کے مطابق آج نہ مسٹر جناح مسلمان ہے نہ ہندوستان کے باقی مسلمان۔ لیکن بہرحال یہ خود تو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔ اب سوچئے کہ اگر آج سے پچاس سال پیشتر انہی حضرات جیسے کچھ "مسلمان" پیدا ہو جاتے جن کا نظریہ ہوتا کہ مسلمان اگر مٹتے ہیں تو مٹنے دیجئے۔ اگر ہندو انہیں اپنے اندر جذب کرتے ہیں تو کرنے دیجئے۔ اس سے نقصان کیا ہو سکتا ہے" تو آج ہمارے یہ معترضین حضرات دھوتی باندھے زنار پہنے۔ ماتھے پر سیندور کا ٹریڈ مارک لگائے۔ اجودھیا کے کنڈے پر مہادیو کی مورتی کو ڈنڈوت کرتے نظر آتے وہ پچاس برس پہلے کے مسلمان۔ ان کے معیار کے مطابق ہزار "نامسلمان" سہی۔ ان کے نام نہاد مسلمان رہنے سے اتنا فائدہ تو ہوا کہ ان کی اولاد سے آج یہ سچے مسلمان پیدا ہو گئے۔ وہ (خدانکردہ) مٹ جاتے۔ تو آج یہ کہاں سے پیدا ہوتے؟ ذرا سوچئے! کہ اسپین سے مسلمان حرفِ مکرر کی طرح مٹ گئے۔ وہاں آج مسلمانوں کی قبروں تک کے نشان باقی نہ رہے۔ اور ہندوستان کے نام نہاد مسلمان باقی رہ گئے ہیں تو ان کے صدقے آج آپ جیسے بلند نظر مسلمان پیدا ہو گئے۔ اسی طرح اگر آج ہندوستان کے مسلمانوں کا اسپین کا سا حشر ہو جائے تو کل کو آپ جیسے کہاں سے پیدا ہوں گے۔ یعنی وہ لوگ جن کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ

"ایسے ہی لوگوں نے پہلے بھی اللہ کا حکم بلند کیا تھا۔ ایسے ہی لوگ آج بھی کریں گے"

اللہ کا حکم بلند کرنے کے مدعی آج اس لئے موجود ہیں کہ پہلے "نام نہاد مسلمان" مٹے نہیں تھے۔ لہذا آج کے نام نہاد مسلمانوں کے مٹانے کی فکر نہ کیجئے۔ سنبھالنے کی فکر کیجئے۔ مٹانے کی فکر کرنے والے اور بہت ہیں ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے   مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

پھر ارشاد ہے ۔

"بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی سہی مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہو جائے ۔ پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے ۔ مگر میں نے تاریخ ۔ سیاست اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے ۔ اس کی بناء پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں ۔ اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا ۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ۔ حکومت کا نظام اجتماعی زندگی میں بڑی گہری جڑیں رکھتا ہے جب تک اجتماعی زندگی میں تغیر واقع نہ ہو ۔ کسی مصنوعی تدبیر سے نظام حکومت میں کوئی مستقل تغیر نہیں کیا جا سکتا ۔

ان حضرات کی بنیادی شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں تغیر واقع ہونا چاہئے ۔ اس کے بعد ان کی کوششیں صحیح نتائج کی مثمر ہوں گی ۔ اس میں کسے کلام ہے ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جن نامساعد حالات سے قوم آج دوچار ہے ۔ اس میں اس قسم کے اجتماعی انقلاب کی آپ کو اجازت بھی مل سکتی ہے ؟ اجازت کے سوال کو چھوڑیئے ۔ آپ کہدیں گے کہ ہمیں حکومت کی مزاحمت کے باوجود ایسا کرنا ہوگا ۔ لیکن کیا آپ کے پاس اس قسم کے انقلاب کے لئے وسائل و ذرائع بھی ہیں ؟ حالت آج یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک آپ کا ایک ایک بال غیروں کی غلامی کے آہنی شکنجہ میں جکڑا ہوا ہے ۔ ایک طرف اگر حکومت کی قانونی غلامی ہے تو دوسری طرف ہندو کی اقتصادی غلامی ۔ جو قوم اس قسم کی دوہری لعنت میں گرفتار ہو ان میں ایسے اجتماعی انقلاب کی توقع رکھنا کہ وہ ایک ہی چکر میں محمد رسول اللہ والذین معہ کے قدوسی پیکر میں تبدیل ہو جائیں گی ۔ بہت زیادہ خوش فہمی ہے ۔ اور خوش فہمی ہی کیا ۔ کھلا ہوا تضاد ہے ۔ ایک طرف خود یہ حضرات قوم سے اس قدر مایوس ہیں کہ اس کے مٹ جانے کا انہیں ذرا بھی رنج نہیں ہوتا ۔ اور دوسری طرف ایسے تفاؤلی کہ ان سے ایسے تحیر انگیز انقلاب کی متوقع ۔ بہرحال آج قوم کی جو حالت ہے وہ ظاہر ہے ۔ اگر ایسے

اپنی حکومت نصیب ہوجائی تو آج سے تو حالت اچھی ہوگی ۔ انگریز کی آہنی غلامی اور ہندو کی اقتصادی غلامی تو نہ ہوگی ۔ آپ کہدیں گے کہ اس وقت خود اپنوں کا استبداد ایسا ہوگا کہ جو شکل آج ہے وہی اس وقت ہوگی ۔ سو اول تو یہ مفروضہ غلط ہے ۔ دوسروں کی غلامی کے مقابلہ میں اپنی حکومت میں انقلاب کے لئے حالات کہیں زیادہ ساز گار ہوتے ہیں ترکی اور ایران کے انقلاب کو دیکھئے اور اس کے مقابلہ میں مثلاً شام اور مراکش کے مسلمانوں کی حالت پر غور کیجئے وہاں اپنی حکومت تھی تغیر نسبتاً آسانی سے پیدا ہوگیا (یہ الگ بات ہے کہ وہ تغیر کیسا تھا) شام اور مراکش میں غیروں کی حکومت ہے ۔ وہاں انقلاب ایسا آسان نہیں ۔ علاوہ ازیں اس چیز کو بھی سامنے رکھئے کہ ابھی اپنوں کے استبداد کا "شکنجہ" وجود میں نہیں آیا ۔ ابھی تو اپنی حکومت کے حصول کے لئے جدوجہد ہو رہی ہے ۔ ادھر یہ جدوجہد جاری ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ جہاں تک حالات ساز گار ہوتے جائیں ۔ اس اجتماعی انقلاب کی بھی کوشش کرتے جائیے جو آپ کے ذہن میں ہے جب اپنی حکومت کے آثار نمایاں ہوں گے ۔ اس اجتماعی انقلاب کی بھی داغ بیل پڑ چکی ہوگی ۔ یہ ہے صحیح طریق کار !

اب آخر میں یہ دیکھئے کہ ان حضرات کی اس تخریبی روش سے قوم کو کس قدر نقصان پہنچ رہا ہے خدا خدا کر کے مسلمانوں کے سامنے یہ چیزیں آنے لگی تھیں کہ تشتت وافتراق کی زندگی لعنتی زندگی ہے ۔ مفلسی ۔ ناداری ۔ بیکسی ۔ بے بسی ۔ کمزوری کی زندگی انسانیت کی زندگی نہیں ۔ انہیں اپنی تنظیم کرنی چاہیئے اپنے اندر اطاعت شعاری اور قربانی کا مادہ پیدا کرنا چاہیے ۔ وغیرہ ذالک ۔ لیکن ان حضرات نے ادھر سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ تمام کوششیں غیر اسلامی اور ان کے علمبردار جہنم میں دھکیل دینے کے قابل ہیں ۔ نتیجہ یہ کہ قوم کا وہ فعّال عنصر جسے ساتھ لے کر کچھ کام کرنا تھا ۔ عضو معطل ہو کر بیٹھ گیا ۔ قوم کے نوجوان بجائے اس کے کہ کچھ کام کریں ۔ سر سے پاؤں تک تنقید بن گئے ۔ جس قسم کے "معیاری مسلمان" ہمارے نوجوان خود ہیں اس کا ہمیں بھی علم ہے اور ہمارے ان معترض حضرات کو بھی لیکن ان نوجوانوں کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ قوم کے ہر فرد کو ذلیل اور قابلِ نفرت سمجھنے لگ گئے ہیں ۔ انہیں جب

دیکھئے۔ استحقار کی خفیف سی ہنسی ان کے لبوں پر اور نفرت کے شکن ان کی پیشانی پر ہوں گے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کہ کوئی شخص اس آئیڈیل (نظری نصب العین) پر پورا نہیں اترتا جو ان کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ نوجوانوں کے سامنے صحیح اسلامی نصب العین رکھنا بیشک ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بتانا بھی نہایت ضروری ہے کہ "عہد جاہلیت" کے جس دور سے ہم آج گذر رہے ہیں کام کرنے والوں کو اس کا الاؤنس (Allowance) دینا بھی ضروری ہے ہمیں ایک مرتبہ ایک اسی قسم کے نظری نوجوان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ کچھ اس قسم کے "عالم بالا" کی باتیں کر رہا تھا۔ "اقبالؒ؟ اقبال نے کیا کیا؟؟ ایک بے عمل فلسفی تھا۔ اور افسانوں کی دنیا میں رہنے والا شاعر!" جناح! لاحول ولا سر سے پاؤں تک افرنگ زدہ۔ ٹوڈی۔ اس سے کیا ہو سکے گا" اگر انقلاب برپا ہوگا تو اسی شمشیر کے زور سے ہوگا" (اس کے ہاتھ میں تلوار بھی تھی جس کے بوجھ سے خیر سے کمر میں تین بل پڑ رہے تھے) دوسرے دن ہم نے دیکھا کہ ملت اسلامیہ کا یہ انقلاب آفریں مجاہد اس فکر میں تھے کہ تلوار کس کے حوالہ کریں۔ کیونکہ انہیں پنجاب سے باہر ایک ایسی جگہ جانا تھا۔ جہاں تلوار پر لائسنس تھا۔ یہ ہے وہ خرابی جو اس نظری تعلیم نے پیدا کر دی ہے جس میں تخریب ہی تخریب ہے۔ تعمیر کی کوئی شکل سامنے نہیں۔ اور اس کا ثبوت بالکل ظاہر ہے۔ خود ان حضرات کو تسلیم ہے کہ متحدہ قومیت اور اس قبیل کے دوسرے شاخسانے جو قومیت پرست مسلمانوں نے پیدا کر رکھے ہیں ملت اسلامیہ کے حق میں بڑے مہلک جراثیم کے حامل ہیں اب گذشتہ دو تین سال کی سیاسی کشمکش کو دیکھئے۔ مسٹر جناح نے جو ان حضرات کے نزدیک کسی صورت میں بھی مسلمان سمجھے جانے کے مستحق نہیں۔ اس دوران میں دن رات کی ان تھک محنت سے قومیت پرستوں کے اس جال کا ایک ایک حلقہ تارِ عنکبوت کی طرح توڑ کر رکھ دیا۔ اس کے برعکس یہ حضرات جنہیں یہ دعوے ہے کہ ایسے ہی لوگوں نے پہلے بھی اللہ کا کلمہ بلند کیا تھا۔ ایسے ہی لوگ آج بھی کریں گے۔ اور یہ کام ایسے ہی لوگوں کے کئے سے ہو سکتا ہے" وہ ذرا اپنی جدوجہد کے نتائج پر بھی غور کریں۔ وہ آج تک چار مسلمان بھی اپنے ساتھ ایسے نہیں ملا سکے یا اپنی تعلیم و تربیت سے پیدا نہیں کر سکے جو ان کے معیارِ اسلامی پر پورے اترتے ہوں

اگر وہ ایسا کر سکتے ہیں تو براہ کرم بتائیں کہ وہ کون لوگ ہیں جو انہوں نے تیار کئے ہیں تاکہ ان کے نمونے سے دوسرے لوگ بھی ویسا ہی بننے کی کوشش کریں - اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو وہ اپنی روش کا نفسیاتی تجزیہ کر کے دیکھیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کا نفس دوسروں کی تنقیص میں اس لئے مصروف ہے تاکہ اپنی سہل انگاری ڈھکی رہے اور اسے چھپانے کے لئے اس نے بلند نصب العین کو آڑ بنا رکھا ہو فریب نفس سے اکثر ایسا ہوا کرتا ہے - ہم ان حضرات کی خدمت میں باادب گذارش کریں گے کہ وہ زمانہ کے حالات کی روشنی میں اپنے مسلک پر نظرِ ثانی فرمائیں - اور اگر ہو سکے تو کام کرنے والوں کے ساتھ مل کر کچھ کام کریں - جہاں اصلاح کی ضرورت ہو - اصلاح کریں - جہاں احتیاط کی ضرورت ہو - انہیں متنبہ کریں - اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم اس قسم کے تخریبی مسلک سے تو احتراز فرمائیں - یہ غریب مسلمانوں پر بڑا کرم ہوگا -

(۲)

مسٹر جناح نے - ۱۹ نومبر کو ایوان اسمبلی میں جو حقیقت کشا تقریر کی ہے - وہ تمام کی تمام درخورِ غور وتدبر ہے لیکن ذیل کے دو چار فقرے تو ایسے ہیں کہ انہیں ہر وقت سامنے رکھا جائے آپنے فرمایا -

"کانگریس پارٹی کے حضرات جو جی میں آئے کہیں - لیکن یقین مانئے کہ ہم نے آخری اور حتمی فیصلہ کر لیا ہے - کہ پاکستان ہمارا واحد نصب العین ہے - ہم اس کی خاطر مسلسل جدوجہد کریں گے اور اپنی جانیں تک قربان کر دیں گے کسی کو اس باب میں کوئی غلط فہمی باقی نہیں رہنی چاہیئے - جمہوری نظام حکومت کا جنازہ نکل چکا ہے - اس قسم کی جمہوریت کا جو مسٹر ڈیسائی کے پیشِ نظر ہے (حکومت کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہو سکتا ہے کہ ہماری تعداد کم ہو اور کم ہے ہی - لیکن میں پوری جسارت سے اس کا اعلان کرتا ہوں - کہ اگر ہم اس امر کا ارادہ کر لیں تو باوجود اپنی تعداد کی کمی کے تمہارے لئے اس سے سو گنا زیادہ مشکلات پیدا کر سکتے ہیں جو کانگریس نے آج تک کی ہیں - یہ نہ سمجھو کہ یہ محض ایک دھمکی ہے یہ ایک حقیقت (کا اعلان ہے) جس سے میں تمہیں باخبر کرنا چاہتا ہوں - لیکن ہم ایسا نہیں چاہتے - تمہیں خود اس کا احساس ہوگا کہ ہم اب بھی ایسا نہیں چاہتے

کانگریسی لیڈروں کے دل میں ہمیشہ یہ زعم باطل رہا ہے کہ کانگرس تمام ملک کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی مفاہمت نہیں ہوسکی۔ کانگرس نے ہمیشہ یہ سمجھا ہے۔ کہ اقلیتیں زیادہ سے زیادہ جس چیز پر زور دے سکتی ہیں وہ بحیثیت اقلیت اپنے حقوق کا تحفظ ہے۔ لیکن گذشتہ پچیس سال سے مسلمانوں کے دل میں ہمیشہ یہ حقیقت جاگزیں رہی ہے کہ وہ ایک الگ جداگانہ ہستی رکھتے ہیں"۔ سچ ہے ؎

حق گوئی و بیباکی آئینِ جواں مرداں
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ایک معذرت

گذشتہ پرچہ کے متعلق اندازہ یہ تھا کہ وہ تین چار روز کی تاخیر سے شائع ہوگا۔ اس کے لئے وجہ معقول تھی جس کا اظہار اسی پرچہ میں کر دیا گیا تھا لیکن افسوس اس کی اشاعت میں بالکل خلاف توقع اکٹھی بارہ تیرہ دن کی تاخیر ہوگئی اس دوران میں حلقہ طلوع اسلام سے سینکڑوں خطوط موصول ہوئے جو ایک بے پناہ شوق اور اضطراب کے آئینہ دار تھے۔ ان خطوط سے ہمیں ایک طرف مسرت ہوتی تھی کہ مبدء فیض ۔۔۔۔ کی کرم گستری نے ہماری اس حقیر سی کوشش کو کس قدر مقبولیت سے نوازا ہے لیکن دوسری طرف ندامت سے ہماری نگاہیں زمین میں گڑی جاتی تھیں کہ اس تاخیر سے ہمارے احباب کو کس قدر کاوش ہوئی ہے۔ لیکن یہ تاخیر ہمارے بس کی بات نہ تھی۔ جس پریس میں طلوع اسلام چھپتا ہے وہیں محکمہ ریڈیو کا آرگن آواز بھی چھپتا ہے پریس اس رسالہ کی طباعت میں مصروف تھا اور اس میں التوا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے طلوع اسلام کی طباعت میں تاخیر ناگزیر تھی بہرحال تاخیر کسی وجہ سے بھی ہوئی ہم بدل معذرت خواہ ہیں۔ طلوع اسلام کی زندگی میں یہ دوسرا موقعہ تھا کہ تاخیر ہوگئی۔ کوشش کی جائے گی۔ کہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

مغتنمات

[شمس العلماء حافظ سید محب الحق صاحب مدظلہ العالی کی ذات گرامی حلقۂ طلوع اسلام میں محتاج تعارف نہیں اور صرف حلقۂ طلوع اسلام ہی کیا۔ ہندوستان کا کونسا علمی طبقہ ہے جو آپ سے ناآشنا ہے۔ آپ کی پوری عمر قرآن کریم پر غور و تدبر میں گذری ہے۔ کتنی بڑی سعادت ہے۔ جسے اللہ دے۔ اب بوجہ کبر سنی تحریر و تصنیف سے ایک گونہ معذور ہیں۔ لیکن ہم جناب پرویز صاحب کے شکر گذار ہیں۔ کہ انہوں نے باین ہمہ جناب حافظ صاحبؒ سے طلوع اسلام کے لئے کچھ حاصل کر کے چھوڑا۔ جناب حافظ صاحب نے کن حالات میں ان سطور کے لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائی ہے۔ ان کا اندازہ ان کے اس گرامی نامہ سے ہو سکے گا جس کا اقتباس درج ذیل ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"ادہر کچھ ناساز ہو گیا تھا۔ اور اب تک ہوں۔ ہر بیماری موت کی خوشخبری ہے۔ میں لبیک کہنے کو حاضر ہوں۔ اس دنیا میں دہرا کیا ہے۔ وہی ایک چرخہ چل رہا ہے۔ جو کل وہ آج۔ وہی صبح وہی شام وہی قوموں کی کشاکش۔ ان الدار الاخرۃ لہی الحیوان۔ زندگی تو اُس دنیا کی۔ ناسازی طبع نے یہ سمجھا دیا کہ اب تصنیف یا تحریر کا وقت گذر گیا۔ طلوع اسلام میں کچھ لکھنا چاہتا تھا مگر ضعف سے سر میں چکر۔ ایسے حال میں کیا لکھوں۔ بیاسی برس کا سن ہوا۔ قوٰی جواب دے رہے ہیں دوا کیا کام کرے گی۔ سوکھے درخت میں پانی ڈالنے سے کچھ نہیں ہونے کا۔ غالبؔ خوب کہہ گیا ہے ؎

دمِ واپسیں بر سرِ راہ ہے   عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

مگر اب یہ مرتے وقت کا ایمان قبول نہیں۔ یہ تو ہمیشہ رنگ ہونا چاہیئے" جس مکتوب گرامی کے ساتھ یہ مضمون ارسال فرمایا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں۔

"حسب فرمائش آپ کے میں نے ایک تحریر طلوع اسلام میں بھیجنی چاہی۔ لکھنا شروع کیا۔ کچھ لکھا کہ بیمار ہوگیا۔ بخار میں کیا لکھتا۔ چند دن بعد بخار گیا تو لکھنے بیٹھا۔ ضعف نے اجازت نہ دی مزاج نے رنگ بدلا تو دماغ بھی دو لخت ہوگیا جب صلاحیت پائی تو آخر کسی طرح تحریر کو تمام کرنا تھا تمام کر دیا۔ اب نقل کروں اور صاف کر دوں تو یہ نقل نویسی مضمون لکھنے سے زیادہ مشکل اس لئے جو لکھا گیا ہے علیٰ حالہٖ بھیج رہا ہوں۔ آپ کو پڑھ لینے کی تکلیف ضرور ہوگی۔ جب خط میں الفاظ چھوٹ جاتے ہیں تو اتنی بڑی تحریر میں الفاظ کتنے چھوٹے ہوں گے۔ چاہا کہ نظر ثانی کروں۔ دل گھبرا اٹھا اس لئے جو لکھا وہ بھیج رہا ہوں۔ پڑھ لینے کی تکلیف معاف فرمائیگا۔ کچھ لکھنے کے قابل نہ تھا مگر آپ کے لکھنے کی تعمیل تھی جو لکھا"

ہم جناب حافظ صاحب کا کن الفاظ میں شکریہ ادا کریں کہ انہوں نے ان نامساعد حالات کے باوجود طلوع اسلام کو اپنے رشحاتِ قلم کی گہرباری سے نوازا۔ مضمون میں ہم نے اپنی طرف سے کچھ نہیں بڑھایا۔ جہاں جہاں کوئی لفظ چھوٹا ہوا معلوم ہوا۔ اسے لکھدیا ہے۔ نہ ہی کوئی توضیحی یا اختلافی نوٹ لکھا ہے اس لئے کہ ہم اس باب میں قارئین کے ذہن کو اپنے خیالات سے متاثر نہیں ہونے دینا چاہتے۔ یہ ایک عالمِ دین کے عمر بھر کے تدبر فی القرآن کا نتیجہ ہے جس پر آزادانہ غور و فکر کرنے کا آپ کو بھی ویسا ہی حق ہونا چاہیئے جیسا ہمیں۔ قرآن کریم۔ احادیث۔ فقہ۔ عملِ متواتر وغیرہ کے متعلق ہمارا مسلک واضح طور پر طلوع اسلام کے صفحات پر بیان ہو چکا ہے۔ ان مضامین کی اشاعت سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ کو قرآن کریم میں غور و فکر کرنے کا شوق پیدا ہو۔ ہم نہ کسی خاص فرقہ کے مسلک کی اشاعت چاہتے ہیں نہ کسی شخص کے ذاتی خیالات کی تائید۔ تائید اس کی ہم کرتے ہیں جسے قرآن کریم کی رُو سے حق سمجھتے ہیں اور مخالفت اس کی جو ہمیں اس کی روشنی میں غلط نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب حافظ صاحب کو عمر و صحت عطا فرمائے تاکہ وہ اس کی کتاب کی اور بھی زیادہ خدمت کر سکیں اور ہم اُن کے تدبّر و تجربے سے مزید مستفیض ہوتے رہیں آمین۔

(طلوعِ اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کے دو قانون ہیں - ایک قانونِ قدرت، اور دوسرا قانون فطرت - قانونِ قدرت کے مطابق مختلف اشیاء وجود میں آتی، پیدا اور فنا ہوتی ہیں - یہ قانون انسان کی سمجھ سے پرے ہے جو ایک مکھی ایک مچھر نہیں پیدا کرسکتا، نہ کوئی پھول پتی وجود میں لاسکتا ہے، وہ رموز خلاقی کیا جانے - وہ کیا اور اس کی سمجھ کیا - قدرت کے کرشمے تو دیکھا ہی کرو - مورت بناسکتے ہو، وہ تو مٹی ہے - تصویر اتار سکتے ہو وہ کوڑی کی بھی نہیں، جیسے اپنی جان سے اپنی زندگی پہچانتے ہو - اسی طرح اس کی قدرت سے اس قادر کو پہچانو -

اور قانونِ فطرت جس میں قانون سماوی اور ارضی، قانونِ بحری و بری، قانون متعلق انسان اور متعلق ماسوائے انسان سب داخل ہیں یہ تو تمہارے سمجھنے کی چیز ہے. تفکروا فی خلق السمٰوات والارض فرمان خداوندی ہے کہ نظم عالم میں غور و فکر کرو، اسی قانون پر تمہاری ہستی ہے، تو تم کو اس کا سمجھنا ناگزیر ہے تاکہ اسکی بے سمجھی سے تم خلافِ قانونِ فطرت چل کر قانون قدرت کے دفعات کی زد میں نہ آجاؤ جو موجب ہو تمہاری ہلاکت اور تباہی کا -

جس طرح اس کی قدرت سب پر ہی حاوی ہے - اسی طرح "قانونِ فطرت بھی سب پر حاوی ہے نہ کوئی چیز بے قدرت کے بنی نہ کوئی چیز اس کے نظم فطرت سے باہر ہے، پیدائش اور فنا قانون قدرت ہے اور اس کا نظم و انتظام قانون فطرت قانون قدرت سمجھ سے پرے ہے. تو قانون فطرت بھی بلحاظ اپنی وسعت کے سمجھ کے احاطہ میں نہیں سماسکتا -

اس لئے حاکم اور بادشاہ کے عدل و انصاف کا اقتضایہ ہے کہ وہ ہر ایک محکمہ کا قانون اُس محکمہ کو الگ الگ عنایت کرے تاکہ اس کا حکم رواں اور اس کی تعمیل کامل ہوسکے ہر محکمہ کی خلقت اور فطرت کے لحاظ سے، چاہے یہ قانون بذریعہ ودیعت فطری عنایت ہوا ہو جیسا کہ آسمان و زمین، سیارے و ثوابت، یا ارضی مخلوق، جمادات، نباتات اور حیوانات کو دیا گیا ہے - چاہے بذریعہ کتاب اللہ جو عقل اور محدود اختیار رکھنے والے انسان کو عنایت ہوا ہے، ہر محکمہ کو دیا گیا یہی کتاب فطرت کتاب مبین اور لوح محفوظ ہے، اور یہی محکمہ انسانی کا قانون کتاب اللہ ہے جو ہر پیغمبر کے ذریعہ سے انسان کو عنایت

ہوا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ قانونِ فطرت جو خدا کا فعل ہے، اور کتاب اللہ جو خدا کا قول ہے دونوں میں مطلق مغائرت نہ ہو۔ اسی طرح کتب الہیہ میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف ہو نہیں سکتا۔ ان میں سے جو ضائع ہوئیں وہ ہوئیں جو حصہ محفوظ اور باقی ہے اس میں جو قانون قدرت کی کرشمہ سازیاں بیان ہوئی ہیں۔ ان سے اس قادر و قدیر کی عظمت و جلالت، اختیارات و کبریائی کو پہچانو، انکو غیر قطعی تاویلات سے فطرت کی پیمائش پر ناپو، دو قانون ہیں دونوں کو ایک ہی مفروضہ ترازو پر نہ تولو۔ ہاں قرآن اور فطرت ایک ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا خدا کا قانون فطرت ہے جس پر انسان کی فطرت بنائی، فطرت کے لئے لاتبدیل لخلق اللہ خدا کی فطرت میں تبدیلی نہیں اسی طرح کلام آلہی کی نسبت ہے لاتبدیل لکلمات اللہ خدا کے کلام میں تبدیلی نہیں جو حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا وہی سارا کچھ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ کیونکہ ان الدین عند اللہ الاسلام خدا کے یہاں تو دین، دینِ اسلام ہی ہے یہی دین سارے پیغمبروں کو عنایت ہوا اسی لئے سب پیغمبروں نے فرمایا انا اول المسلمین ہم پہلے مسلمان ہیں، رسول خاتم المرسلین نے بھی فرمایا اُمرت ان اکون من المسلمین وان اتلو القرآن میں محکوم ہوں کہ میں مسلمانوں سے ہوؤں اور مامور ہوں کہ قرآن پڑھ پڑھ کر سنایا کروں۔ سب کا دین ایک تھا تو سب کی کتابیں ایک دوسرے کی مصدق آئیں مصدقاً لما بین یدیہ سب امتوں نے کتاب اللہ کو ضائع کیا تو آخر میں خاتم النبین کی خاتم الکتب کلام اللہ۔ یہ دعوےٰ آیا کہ ہم ہی ساری اگلی کتابوں میں نازل ہوتے رہے[۱] اور اس لئے ہم ہی ساری کتاب آلہی کے مہیمن اور محافظ ہیں[۲]۔ ساری امتوں نے اپنا نام بھی بدلا مثلاً یہود ہوئے نصاریٰ ہوئے مسلمانوں نے بھی اپنا نام بدلا سنی شیعہ اہلِ حدیث اہلِ فقہ وغیرہ وغیرہ ہوئے۔ علیٰ ہذا بہتیرے فرقے بہتیرے نام۔ حالانکہ جب خدا نے ہمارا نام مسلمان رکھا تھا (ھو سمّٰکم المسلمین) تو ہم کو صرف خدا کے رکھے ہوئے نام پر فخر کرنا تھا اور اپنے کو صرف مسلمان کہنا تھا۔ تو

ص۱ وانہ لفی زبر الاولین۔

ص۲ مھیمنا علیہ۔

اپنے کو صرف مسلمان کہو اور سارے بدعتی تفرقہ انداز نام سے تائب ہو جاؤ۔ یہ دین اسلام کی تبلیغ سارے پیغمبروں نے کتاب اللہ دے کر اور سنا کر پوری کی، اور خدا اور صرف خدا سے رشتۂ عبودیت جوڑتے رہے۔ ماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون۔ ولا یامرکم ان تتخذوا الملئکۃ والنبیین ارباباً ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون (کسی آدمی کو شایان نہیں کہ خدا تو اسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ وہ تو یہ کہیگا کہ اللہ والے بنو کیونکہ تم کتاب اللہ پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔ وہ تم کو یہ حکم نہ دے گا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بنالو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اسے زیبا ہے کہ تم کو کافر ہونے کو کہے) اس لئے سارے پیغمبروں نے اس کے بندوں کا رشتۂ عبودیت کلام الٰہی سنا سنا کر خدا سے جوڑا۔ کسی پیغمبر نے بھی اپنی حدیثیں اپنے ملکی فیصلے اپنے مشورے۔ خانگی باتیں اور اپنے اقوال و افعال کو نہ جمع کیا، نہ جمع کرایا۔ نہ اسے دین سمجھا نہ اس کا کوئی اہتمام کیا کہ یہ کتاب اللہ کی تفسیر ہے قوم کو سوائے کتاب اللہ کے کچھ نہ دے گئے۔

مگر قانونِ فطرت کی اس دفعہ کے مطابق فطال علیھم الامد فقست قلوبھم (امتداد زمانہ سے ان کے قلوب سخت ہو گئے) مواجہ خدا کی طرف سے پھر گیا۔ یہود و نصاریٰ نے حدیثیں جمع کیں کتاب اللہ کھوئی گئی، اور یہی حدیثیں توریت و انجیل کے نام سے موسوم ہوئیں۔ تاریخ بھی منزل توریت و انجیل کی شہادت نہیں دیتی۔ قرآن بھی ان میں تحریف کا مدعی ہے (اس کی حقیقت شرعۃ الحق میں مفصل واضح کی گئی ہے) موجودہ توریت و انجیل کو اٹھا کر دیکھو تو خدا کا تخاطب بندوں کے ساتھ گویا کہیں نہیں ہے، یعنی خدا اس کا متکلم نہیں۔ ہاں رسولوں کے کارنامے ہیں اور ان کے سوانح حیات۔ توحید برائے نام ہے۔ اور اس کے فضولیات کو کیا دہراؤں۔ مسلمانوں نے بھی کتاب اللہ ضائع کرنے میں کچھ فرو گذاشت نہیں کی۔ مگر وہ رسول آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری کتاب اللہ تھی، اس لئے خدا نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا، اس لئے قرآن لفظاً تو محفوظ رہ گیا مگر عملاً کھویا گیا۔ اب قرآن ورد و وظائف عملیات اور طلسموں کی ابتدا کرنے کے لئے رہ گیا ہے۔ احبار و رہبان کی طرح علماء اور مشائخین نے بھی

دین کے سارے اعمال کا مدار صحاح ستہ اور فقہ ستہ یعنی قدوری، کنز، شرح وقایہ، ہدایہ، فتاویٰ عالمگیری اور منتشر فتاووں پر رکھا۔ باوجود اس حکم ربانی کے کہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ (قرآن سے حکم دیا کرو) اور باوجود اس تہدید کے کہ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون (جو قرآن سے حکم نہ دے وہ کافر ہے)، حکم اب قرآن سے نہیں دیا جاتا، نہیں بارہ کتابوں سے دیا جاتا ہے۔ اور روحانیت اسلام تو کب کی مدفون ہو چکی روحانیت قرآن کا مدت ہوئی کہ خاتمہ ہو چکا۔ مگر خدا کا شکر و احسان ہے کہ کتاب اللہ میں کچھ آمیزش نہ ہو سکی کہ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ومن خلفہ تنزیل من حکیم حمید (خدا کے نازل فرمودہ میں بحفاظت خداوندی ادھر اودھر کسی طرف سے باطل آمیزش نہ پا سکا اور کلام خدا جیسا اترا تھا جوں کا توں وہی موجود ہے) فامنو اباللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔ تو خدا اور رسول اور قرآن پر ایمان لاؤ۔

قرآن تو کسی کے ضائع کئے ضائع نہ ہو سکا۔ مگر قوم نے عملاً اس کے ضائع کرنے میں کچھ نہ اٹھا رکھا۔ قرآن پر عمل نہ رہا، عمل روایتوں، قصے کہانیوں، اور علماء مشائخین پر ہو گیا۔ بریں بنا قرآن بہت کچھ تو منسوخ کیا گیا جو بچ رہا وہ ناقابل فہم، مجمل، ناقابل عمل، محتاج تفسیر اور ناقص و نامکمل، قرار پایا۔ کتاب اللہ کی اس کے بندوں نے اچھی قدر کی ماقدروا اللہ حق قدرہ (جو قدر و منزلت خدا کی کرنی چاہیئے تھی وہ لوگوں نے نہ کی) جیسا کہ کئی دفعہ بیان کیا جا چکا ہے۔ قرآن میں نسخ ہو نہیں سکتا، کیونکہ قرآن میں اختلاف ناممکن ہے تو نسخ بھی ناممکن، یہ تو علمائے بغیاً بینھم قرآن پر حملہ کرنے کا شاخسانہ کھڑا کیا ہے (تفصیل شرعۃ الحق میں دیکھو) ورقوں کو کون دہرائے اگر قوم نے نہ اس کو دیکھا نہ اس کو دیکھے گی۔ وہ عقیدت ماسوا، تعصب کی ماتی، نفسانیت کے نشہ میں سرمست ماسوا کی پجاری ہے۔

جب قرآن کو قرآن سے منسوخ کرنے میں پوری کامیابی حاصل نہ ہو سکی تو علماء قرآن کو حدیثوں سے منسوخ کرنے میں متامل نہ ہوئے۔ بلکہ بے باکی سے بہتیری آیتوں کو منسوخ کیا، تاویل کی، مرادی معنوں سے جکڑا، سارے حدود اللہ توڑ دیئے گئے گویا کوئی حکم خداوندی بھی اصلاح اور کم و بیش کرنے سے نہ بچا۔ اس پر قوم کی تربیت ہوئی کہ کسی حکم کی تعمیل خدا کا حکم سمجھ کر نہ کرنا وہ تو ناقص و مجمل و بیکار ہے۔ بلکہ سب کی تعمیل حضرت ابن عباسؓ حضرت ابوہریرہؓ کی ہدایت اور ایماء پر کرنا کہ یہ قطعی فرمودۂ رسول صلعم ہے۔

اس کی خوب کہی کہ خدا نے قرآن میں تو کچھ حکم بھیجا مگر حضرت جبرئیل علیہ السلام بذریعہ وحی خفی یعنی چپ چاپ آنحضرت علیہ السلام کے کان میں حکم دے گئے کہ اب وہ قرآنی حکم اٹھ گیا۔ دوسرا حدیثی حکم یہ ہے۔ مثلاً میت کی آیت منسوخ ہوئی، اب ثلث میں وصیت جاری کرو۔ وھو اللہ فی السمٰوٰت وفی الارض۔ خدا آسمان وزمین میں ہے بالکل غلط۔ خدا تو عرش پر ہے، ہاتھ پاؤں کے ساتھ اور آسمان دنیا پر اترتا چڑھتا، اور بندوں کو دعا کے لئے پکارتا رہتا ہے گرچہ کوئی اس کی پکار نہ سنے۔ لاتسمع الموتٰی غلط ہے تم کہدو کہ مردے پڑے سنتے ہیں، پاؤں کے چاپ کو بھی، تاکہ آئندہ نذر و نیاز مردوں سے حاجت خواہی کی رسم جاری ہو کر بندے مراد کو پہونچیں۔ علیٰ ہذا زانی اور زانیہ کو سَو دُرّوں کی سزا کا جو حکم عام ہوا تھا اس میں ترمیم کر دی گئی ہے، ان میں محصن اور محصنہ کو سنگسار کیا کرو۔ اور ایسے راز کے احکام کو قرآن میں داخل کرتا اور علیٰ ہذا سینکڑوں مثالیں ہیں کہاں تک دہرایا جائے۔ بات کہاں سے کہاں پہونچی۔ واللہ یحکم لا معقب لحکمہ وھو سریع الحساب۔ یہاں پر ایک لطیفہ یاد آیا توجہ طلب اور سننے کے لائق ہے۔

بلاغ الحق کا جواب مولوی ثناء اللہ صاحب کے پرچہ اہلحدیث میں چھپا ہے اس کا نام بیان الحق رکھا گیا ہے۔ وہ جیسا کچھ ہے قوم کے سامنے آگیا ہے، میں اخباروں میں تو تو میں میں نہیں کیا کرتا اور اس کو مضر سمجھتا ہوں، مگر ایک حدیث کی طرف قوم کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو میرے اس دعوے کے جواب میں ہے کہ رجم و سنگسار کا حکم قرآن میں کہیں نہیں ہے اس لئے محصن و محصنہ کے لئے رجم کا حکم قرآن کے حکم کو اٹھا دیتا ہے اس لئے یہ رسول کا حکم نہیں ہو سکتا جو فاحکم بینھم بما انزل اللہ (قرآن سے حکم دیا کرو) کے مامور تھے۔ اس کے جواب میں پرچہ اہلحدیث مطبوعہ ۱۹ جمادالثانی سنہ ۵ھ میں (مشکوٰۃ۔ کتاب الحدود صفحہ ۳۰۹) کی ایک حدیث پیش کی گئی ہے۔ حدیث تو بہت طول ہے مگر اس کا ترجمہ جو خود انہوں نے دیا ہے وہ پیش کر دیتا ہوں۔

"مشکوٰۃ۔ کتاب الحدود صفحہ ۳۰۹ "ابوہریرہؓ اور زید بن خالد سے روایت ہے کہ دو آدمی مقدمہ لے کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا حضور ہم میں کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ فرمائیے۔ دوسرے نے بھی کہا ہاں حضور ہم میں کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ فرمائیے۔

اور مجھے عرض کرنے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا بول اس نے کہا میرا بیٹا اس کے یہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی کی ساتھ بدکاری کی لوگوں نے مجھے بتایا میرے بیٹے پر رجم (سنگساری) کی سزا ہے میں نے اس کی طرف سے سو بکری اور ایک لونڈی فدیہ میں دی پھر میں نے اہلِ علم سے پوچھا انہوں نے مجھے بتایا میرے بیٹے پر سو درّوں کی سزا اور سال بھر کی جلاوطنی ہے کیونکہ وہ کنوارا ہے۔ رجم کی سزا اس کی عورت پر ہے رسولؐ اللہ نے فرمایا خدا کی قسم میں تم میں کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ کرتا ہوں تیری سو بکریاں اور لونڈی تجھ پر واپس ہیں یعنی فدیہ میں قبول نہیں ہاں تیرے بیٹے پر سو بید کی سزا اور سال بھر کی جلاوطنی ہے اپنے خاص خادم انسؓ کو فرمایا اے انس تو اس کی بیوی کے پاس جا (کیونکہ وہ وہاں حاضر نہ تھی) اگر وہ اس بدکاری کا اعتراف کرے تو اسے سنگسار کرا دے پس اس عورت نے اعتراف کرلیا تو اسے سنگسار کرادیا۔"

اس حدیث کے لکھنے کے بعد مجھ (مصنف کتاب) سے خطاب کیا گیا ہے فرماتے ہیں :-

حافظ صاحب! یہ تاریخی واقعہ ہے جو بقول آپ کے صحیح ترین طریق سے ہم تک پہونچا ہے اس میں تین دفعہ کتاب اللہ کا لفظ آیا ہے دونوں سائلوں نے کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ چاہا اور خود حضور علیہ السلام نے ان کی درخواست کو حلف کے ساتھ قبول فرمایا ہے یعنی فرمایا کہ خدا کی قسم میں کتاب اللہ کے ساتھ تم میں فیصلہ کروں گا حالانکہ کتاب اللہ (قرآن مجید) میں یہ سزا مذکور نہیں پھر کیوں نہ فریقین مقدمہ نے یہ عرض کیا کہ عالی جاہ! یہ حکم کتاب اللہ میں نہیں ہے بحالیکہ آپ کے ہم خیال دیگر منکرین حدیث کہتے ہیں کہ رسولؐ کوئی حکم دے تو ہم اسے پوچھ سکتے ہیں یہ حکم کہاں ہے مگر ان فریقین مقدمہ کو خاص کر مرحومہ کے خاوند کو یہ سوال کرنے کی جرأت نہوئی بلکہ بخوشی اس سزا کو برداشت کیا کیونکہ ان کی مراد کتاب اللہ کے لفظ سے حکم اللہ تھی یہی مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی پس آنحضرت کے حلفیہ وعدہ کا ترجمہ یہ ہوا کہ میں تم میں حکم الٰہی کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔ اس عمل نبوی سے ثابت ہوا کہ حکم الٰہی قرآن و حدیث دونوں کو شامل ہے۔

حضرت عمرؓ کا قول الرجم فی کتاب اللہ حق (بخاری و مسلم) انہیں معنی میں ہے بہ الفاظ دیگر کتاب اللہ

قرآن ہی نہیں بلکہ حکم اللہ قرآن وحدیث دونوں کو شامل ہے"

یعنی هذا کتاب انزلنه الیك فاتبعوا ہ کے معنے یہ ہوئے کہ قرآن وحدیث جو میں نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اس کا اتباع کرتے رہو یعنی صرف قرآن ہی نہیں بلکہ وہ کتاب بھی جسے آیندہ خاتمین نبوت" لکھیں گے۔ اس حدیث کے متعلق اگر کچھ لکھنا چاہوں تو وہ اک رسالہ ہوجائے گا اس لئے یحق الحق بکلماتہ کے تحت میں ہم نے شرعۃ الحق اور بلاغ الحق میں بہت کچھ دکھا دیا ہے اب اسی حدیث پر ناظرین خود توجہ کرلیں کہ قرآن میں تحریف کی راہ کہاں سے ڈھونڈ نکالی گئی اور قرآن کس طرح پیٹھ پیچھے پھینکا گیا۔ نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء ظهورهم میں ہوشیار کئے دیتا ہوں کہ یہ تحریف یہودیوں کی روش ہے۔ حدیث بذریعہ وحی خفی یا یوحیٰ تسلیم ہوتی تھی اب رسول کے قسمیہ بیان کے ما انزل اللہ بھی تسلیم کرانے کا شوق پیدا ہوا ہے۔

خدا پر تہمت کہ اس نے اکملت لکم کا دعوے غلط کیا ہے رسول پر تہمت کہ انہوں نے فاحکم بینهم بما انزل اللہ ط کے خلاف حکم دیا اس کو کتاب اللہ میں داخل نہ کیا اور فلعلک تارک بعض ما یوحیٰ الیک کے مرتکب ہوئے مگر راوی غلطی کیونکر کرسکتے ہیں۔ راویان حدیث تو انسان پرستوں کے دیوتا ہوئے۔ خدا اور رسول کے مقابلہ میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ایسی روائتیں منافقین فتنہ پردازوں کی ہیں۔ مجھے اس حدیث کو اس لئے بیان کرنا تھا کہ لوگ سوچیں سمجھیں کہ علماء کا مرض کس قدر گہرا ہے اور راویوں کے مقابلہ میں خدا ورسول پر کس درجہ کا ایمان ہے۔

میں نے قرآن پر پانچ حملے جو بیان کئے تھے (جن پر نمبر دیدیا ہے) ان میں سے ایک کا جواب تو ہوگیا۔ اگرچہ اختصار سے بڑھ گیا۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرآن ناقابل فہم نہیں خدا کا فرمان ہے کہ میں نے قرآن نازل فرمایا لعلکم تعقلون۔ لعلکم تتفکرون لیدبروا ایاته اس لئے ادق نہیں بلکہ آسان بھی ہے لقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر۔ قرآن کو ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے بہت آسان بنایا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ لیکن خدا کی سنتا کون ہے۔

تیسرے - ناقابل عمل بھی نہیں - ناقابل عمل ہوتا تو اعملوا کا حکم صادر نہوتا اتبعوا کا فرمان جاری نہوتا - اور ولا تتبعوا من دونہ اولیاء کی تہدید جاری نہوتی نبی اور قرن اولےٰ کا عمل قرآن ہی پر رہا - اور اس کے سوا کسی کتاب پر نہیں -

چوتھے - محتاج تفسیر بھی نہیں ثم ان علینا بیانہ خدا نے قرآن میں احتیاج تفسیر بھی کردی ہے

پانچویں مجمل کہنا بھی غلط ہے کیونکہ اس دعوے سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے فصلنہ تفصیلاً فصلنہ علی علم علی ہذا بیسوں آیتیں ہیں قرآن کی تفصیل کو اللہ تعالےٰ نے خود بیان کردیا ہے علماء کے شاخسانے کھڑا کرنے کو اوٹھا نہیں رکھا - اس پر بھی مجمل کہنا شیطانی وسوسہ ہے جو گمراہی کے لئے روزن ہے

پھر قرآن ناقص بھی نہیں اکملت لکم دینکم تکمیل دین کے دعوے پر خدائی مہر ہے - اور یہ کہنا بھی کہ متشابہات وہ آیتیں ہیں جس کے دو معنی نکلتے ہوں - نفاق آمیز خدشہ ہے جو توریہ یا تقیہ قائم کرنے کے لئے سند ہے جو خدا کی شان سے بعید ہے - متشابہات کی وضاحت میں سلسلہ حقانیہ میں کرچکا ہوں جو اوپر بیان ہوئے اور جن پر میں نے نمبر دیدیا ہے پانچ جملے قرآن پر کئے گئے تھے، پانچوں کے لئے یہ خدا کی آیتیں جو دی گئی ہیں اگر ایمان ہے تو کافی ہیں -

اے لوگو! الیس اللہ بکاف عبدہ کیا خدا اپنے بندوں کو کافی نہیں، کیا اس کو معاذاللہ اور "دیوتا" حکم دینے والے درکار ہیں؟ اس کا تو ارشاد ہے کہ الا لہ الحکم (ہوشیار حکم خدا ہی کا) اے نبی خدا کا حکم جب تک نہ آئے تو فاصبر لحکم ربک (خدا کے حکم کے منتظر رہا کرو) خدا کے حکم کے آگے سر جھکا دو یہی اسلام ہے اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی علیھم (کیا لوگوں کو یہ کافی نہیں کہ اے رسولؐ ہم نے تم پر قرآن اتارا جو ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے)، ہاں قرآن کو چھوڑ دینے والی قوم کو یہ کافی نہیں انہیں راویوں کی کہانی درکار ہے - ان کو بہتر سے "دیوتا" درکار ہیں جن پر ایمان ہے اور بلا سند ربانی ایمان ہے بلکہ لا تتبعوا کی نافرمانی ہے اس طرح دین کے لئے بجائے قرآن کے اونٹوں کتابیں درکار ہوگئیں - کچھ تو رسولؐ سے سنی سنائی باتوں کی زبانی اور کہنہ یادداشت اور کچھ اسلامی ہائیکورٹ کے فیصلے، وہ بھی عروج کے زمانہ کے آج کے نہیں -

مسلمانو! اخلصوا دینھم للہ - (دین کو خدا کے لئے خالص کرو) کیونکہ خدا کے یہاں خالص دین ہی مقبول ہے جس میں شرکت اور ماسوے کی آمیزش نہو، الا للہ الدین الخالص (ہوشیار خدا کے یہاں تو دین خالص ہی مقبول ہے) جب ایسا ہے تو فاحکم بینھم بما انزل اللہ (قرآن سے حکم دیا کرو) کیونکہ جو قرآن سے حکم نہ دے وہ ظالم، فاسق، اور کافر ہے ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون یہ سب کچھ نہایت مفصل سلسلۂ حقائیہ میں لکھ چکا ہوں اور اب دین کے متعلق جو کچھ بھی لکھنا چاہتا ہوں وہ سلسلۂ حقائیہ سے باہر نہیں دکھائی دیتا مگر چونکہ لوگ کتاب دیکھنے کے عادی نہیں جو دیکھتے ہیں وہ تعصب کی عینک سے۔ ان میں بھی جس نے تسلیم کیا تو تھوڑی دیر کے لئے، جب تک آیتیں یاد رہیں تسلیم کیا، جب آیتیں یاد سے بھولنے لگیں کیونکہ وہ خون میں تیری نہ تھیں تو پھر وہی آبائی روش، جدھر روزن ملا گھر کرنے لگی اور پھر وہی حال اور وہی خیال جو تھا اس لئے یہ مختصر سا لکھنا گویا یاددہانی ہے۔ اور قرآن کی روش کی بھی تعلیم یہی ہے۔

بھائیو! قرآن ظاہری اور باطنی اور جسمانی اور روحانی پاکی سکھا کر انسان کامل بنانے کو آیا ہے کہ تمہارے سارے صفات اور سارے قوٰے اور قوتیں خدا کی رضا کے مطابق تیز رفتار ہو جائیں اور اس طرح انسان کامل بنائے کہ انسان کامل بن کر خلیفۃ اللٰھی کا تاج سر پر رکھو اور دنیا پہ خدا کے خلیفہ بن کر حکمرانی کرو کہ خدا کا قانون جاری وساری ہو جائے اور خدا کا سکہ رائج الوقت ہو کر دنیا کو پر امن اور بہشت بنا دے۔

اسی کے ساتھ خدا نے تمہیں عقل دی ہے اس حکیم مطلق نے یہ بیش بہا نعمت بیکار اور ضائع کرنے کو نہیں دی ہے۔ اس سے خدا کو پہچانو، اس کی صفات کو سمجھو، اس کی قدرت کی نیرنگیاں دیکھو، اور عقل کی روشنی میں اس کے فرمان پر چلو لعلکم تعقلون - لعلکم تتفکرون سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ اسی لئے اس نے حکم دیا کہ فطرت پر اور اس کی ہر چیز پہ غور و فکر کی نگاہ ڈالو، اسی غور و فکر سے تمہیں علوم وفنون کے خزانے ملیں گے۔ یہ سائنس اور سارے علوم وفنون کی کنجی ہے کہ سائنس اور علمی دریافت سب اسی خزانہ کے موتی ہیں۔ یہ کنجی یورپ والے چرا لے گئے، وہ کامیاب ہوئے، تم نے غفلت کی تو اپنے کئے کو بھگتو۔

غرض قرآن دین ہے اور اس سے فاضل تمہیں عقل دی گئی ہے تو اس سے کام لو۔ قرآن مشین بنانے

ہوائی جہاز بنانے، ریل بنانے، تار اور بے تار کی تار برقی چلانے کے لئے نہیں آیا یہ تمہاری عقل اور فکر کا امور کے حوالہ ہے - کیا تم قرآن کے ہمہ گیر ہونے کے یہ معنی سمجھتے ہو کہ دنیا جہاں کے دھندوں کی سب باتیں اس کے اندر ہونی چاہئیں؟ اگر تمہارا ایسا خیال ہے تو اس کی کوئی ربانی سند نہیں ہے - ہاں دین کی کل باتیں قرآن میں ہیں -

مافرطنا فی الکتاب من شئ دین کی کوئی بات فروگذاشت نہیں ہوئی - تو جو کچھ قرآن میں ہے وہی دین ہے

ترجمہ قرآن - ہاں ترجمہ قرآن کی طرف توجہ کرنے کی اشد ضرورت ہے - اب یہ خدمت جس برگزیدہ کی قسمت میں ہو - کیونکہ قرآن کی جتنی تفسیریں اور ترجمے شائع ہیں سب رکیک روایتوں کے اضافوں اور اسرائیلیات کی آمیزشوں سے مملو، یا نفسانی طبع آزمائیوں سے مجروح ہیں - اور ضرورت ہے کہ قرآن جیسا نازل ہوا ہے بلاکم و کاست اسی طرح بغیر آمیزش انسانی رایوں کے ہر قوم میں اور ہر قوم کی زبان میں تبلیغ کیا جائے - تو یہ رسول کی تبلیغ ہوگی علیہ الصلوٰۃ والسلام شلاً واذ[1] نتقنا الجبل فوقھم کانہ ظلۃ وظنوا انہ واقع بھم نتقنا کے معنی مفسرین نے قلعنا[2] کے لکھے ہیں اور مترجموں نے اسی کا ترجمہ کر دیا - مفسروں نے روایتوں کی بنا پر اس کا ترجمہ قلعنا کر دیا - کہ پہاڑ کو اکھاڑ کر سر پر رکھ دیا اور کہا کہ اب میرا حکم مضبوط پکڑ لو - مگر لغت میں یہ معنی نہیں منتہی الارب میں ہے نتقنا الجبل فوقھم یہ محاورہ ہے جس کے معنی دامن کوہ کے ہیں کہ وہ دامن کوہ میں تھے کہ پہاڑ ان کے اور آفتاب کے بیچ میں حائل تھا اور پہاڑ کے اتنا کنارے تھے کہ پہاڑ گویا سائبان ہو گیا تھا کانہ ظلۃ - ایسا گمان ہو سکتا تھا کہ کہیں پہاڑ گر نہ پڑے - یہ خدا نے موقع کو بتایا اور قرآن کی یہ روش ہے کہ وہ موقع کو بتاتا ہے مثلاً وواعدنکم جانب الطور الایمن (اور توریت دینے کے لئے کوہ طور کی داہنی طرف مقرر کی) ورنہ پہاڑ اکھاڑ کر کسی کے سر پر رکھ دو اور وہ خوف سے ایمان لائے یا کوئی اقرار کرے تو ایسا جبریہ ایمان ہوگا جب تک دل گواہی نہ دے - یا منافقانہ اقرار ہوگا - یہ سراسر لااکراہ فی الدین کے خلاف ہے -

---

[1] سورۂ اعراف - ع ۲۰ (۷/۱۷۱)

[2] قلع - جڑ سے اکھاڑ دینا -

اس کے علاوہ کہ محاورات اور لغات کے عقائد پرستی سے حیرت میں ڈالنے والے، اور اپنے فرقہ کی مغرورانہ روش کی تائید کرنے والے، مفہوم میں اضافہ کرنے والے۔ تعمیم کو تخصیص تخصیص کو تعمیم کرنے والے معانی پیدا کئے گئے ہیں۔ تاویل اور مرادی معنے سے الگ پرخچے اوڑائے گئے ہیں۔ اس لئے قرآن اپنی عبارت میں منزّل اور تفسیر و ترجمہ میں غیر منزّل ہوگیا ہے۔ ضرورت ہے کہ قرآن کا نفسانیت اور فرقہ بندیوں اور انسانی رایوں سے پاک ہوکر باطنی پاکی کے ساتھ خالص ترجمہ کیا جائے ہاں با محاورہ ہوکر عربی کی جگہ اس کا ترجمہ اصل عربی کی طرح سمجھا جاسکے یعنی قرآن جیسا نازل ہوا ویسا ہی اس کی تبلیغ کی جائے تاکہ اس کے فیوض و برکات سے جس طرح دنیا کا ایک حصہ فیضیاب ہوا ساری دنیا فیضیاب ہو، اور اس لئے وہ ترجمہ ہر زبان میں ہو اور ہر قوم میں اس کی تبلیغ حقہ ہو جائے کہ مسلمان خالص مسلمان ہو کر اور کافر خالص کافر ہو کر رہے **عمل متواتر**۔ اس کو میں نے شرعتہ الحق میں مفصل بیان کیا ہے مگر کچھ غلط فہمیاں جو پیدا ہوگئی ہیں ان کی تصیح کردینی چاہتا ہوں۔

میں نے عمل متواتر کو کتاب اللہ یا دین اللہ میں داخل نہیں کیا ہے مگر محاورات قرآنی کی تحقیق کا ذریعہ میرے پاس لغات و مصطلحات، عمل متواتر اور تاریخ یعنی حدیث کے سوا اور کیا ہے۔

یوں تو قرآن کے سارے احکام خود قرآن میں مفصل ہیں مگر علما نے بغیاً بینھم کے نشہ میں چند چیزوں کو مجمل ناقابل عمل مان کر فرقہ بندیوں کا گویا آلہ بنا رکھا ہے جو مباحث میں رہا کرتے ہیں اور ناطے شدہ ہی رہتے ہیں۔ مثلاً صلوٰۃ ازلی ہے اور زکوٰۃ بھی۔ ہر پیغمبر کی نسبت آیت موجود ہے جو شرعتہ الحق میں دی گئی ہے تو جب یہ ازلی فرض ہے جو نبی آخر الزماں پر فرض ہوکر ابدی ہوگئی ہے اس صلوٰۃ و زکوٰۃ سے قوم واقف تھی اسی کے اصطلاح میں قرآن نازل ہوا ہے کچھ فرشتوں کی زبان میں نازل نہیں ہوا، اس کو حکم ہوا، وہ سمجھی، تعمیل کو کھڑی ہوئی۔ تعمیل کرتی چلی آرہی ہے۔ یہی اصطلاح عمل متواتر سے یہی اصطلاح تاریخ یعنی حدیث سے بھی واضح ہے۔ کچھ اختلاف جو نظر آتا ہے وہ عمل مجاز میں ہے اس لئے مجاز کی طرح پر مختلف انداز پر ادا کیا جاتا ہے۔ یہ اختلاف مجازی ہے دینی نہیں۔ اسی طرح ربوا کا حکم ہے یہ کوئی معمہ اور چیستان نہیں کہ ناصاف رہ گیا۔ نہ آنحضرت نے واضح کیا، نہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے، اور خدا

سود خوار کو جہنم میں جھونکنے کو آمادہ ۔ یہ سراسر ظلم ہے ۔ قرآن قوم کی اصطلاح میں آیا ہے اصطلاح تحقیق سے واضح ہوتی ہے کہ لا تقرض بر بوا۔ سود پر قرض نہ دو ۔ یعنی قرض پر نفع لینا حرام ہوا ۔ یا مثلاً مثنیٰ وثلث ورباع سے دو، دو، تین تین، چار چار، یعنی غیر محدود نکاح کسی عالم کے فرمانے سے جائز نہ ہوگا کیونکہ عمل متواتر سے اصطلاح واضح ہے کہ چار تک نکاح مصطلح زبان اور جائز ہے ۔

شرعتہ الحق میں عمل متواتر کو میں نے بوضاحت بیان کیا ہے ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سراسر حسب فرمان خداوندی سراپا متبع فرمان کلام اللہ تھے ۔ اسی طرح آپ کی امت بھی ۔ اس لئے عمل سب کا ایک رہا ۔ ساری امت جیسا رسول کو کرتے دیکھتی اطاعت رسول کی فرمان پذیری میں اسی پر عمل کرتی ۔ اسی کو خدا نے سبیل المومنین کہا اور یہی سبیل المومنین آج عمل متواتر ہے ۔ فرمان ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا ٥ ۔[ھ۱] قرون اولیٰ کے خالص مسلمان جس طرح عمل کرتے چلے آئے تھے اسی طرح قوم جو خالص مسلمانوں کی جماعت تھی عمل کرتی چلی آتی رہی کہ اتنے میں علماء کی جماعت اٹھی، علم نام رکھا گیا حدیث کی روایتوں کا ۔ اور روایتوں کو جمع کرنے والی جماعت علما کہلائی ۔ سلطنت نے معاونت کی اور اس کو اپنے مقاصد کا آلہ سمجھا، غلغلہ ہوا، سطوت بلند ہوئی، تقدس آبی کی ڈگریاں تقسیم ہونے لگیں ۔ عوام کالانعام لگے پوجا پاٹ کرنے اور چڑھاوا چڑھانے ۔ میدان صاف ملا اور بیکار آمد علما نے بھی حدیث جمع کرنے میں جان توڑ کوشش کی کہ حدیث ملے ، اب جیسی ملے ۔ بغیا بینھم کی سرچ لائٹ روشن ہوئی ، نفسانیت نے طرح طرح کی رنگ آمیزیوں سے اسلام کی سادی عمارت کو رنگا رنگ کیا ۔ روحانیت قرآن آنسوؤں کی بارش میں بھیگی ہوئی بستر باندھ حسرت آلود نگاہوں سے دیکھتی ہوئی رخصت ہوئی ۔ تو اب فرقہ بندیوں، آپس کے

ھ۱ اور جس شخص پر ہدایت کی راہ واضح ہو جائے اور اس پر بھی وہ اللہ کے رسولؐ سے مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے ۔ تو ہم اسے اسی طرف کو لے جائیں گے جس طرف (کو جانا) اس نے پسند کر لیا ہے ۔ اور اسے دوزخ میں پہنچا دیں گے ۔ جو بہت بری جگہ ہے ۔ (۴/۱۱۵)

جھگڑوں اور نفسانیت کے مظاہروں کے سوار ہا کیا۔

پھر بھی ظاہری اعمال جو فرقوں میں رہ گئے وہ اصطلاح قرآنی کے واضح کرنے میں بہت کچھ معین و مددگار ہیں یہ اعمال قوم ہدایت کے محتاج ہیں راوی اور روایتوں کی عقیدتمندانہ چھان بین سے بری، اور پاسداریوں کی الجھنوں سے پاک۔

قرآن کی اخلاقی ہدایات جو عمل کے لئے تھیں وہ صرف الفاظ پڑھنے کے لئے رہ گئے ہیں کہ جھوٹ نہ بولو، سچ ہی بولو، سچ ہی گواہی دو، فریب نہ کرو، دغا نہ کرو، کسی کا دل نہ دکھاؤ، صلہ رحمی نہ توڑو۔ اخوت کا رنگ پھیکا ہو، غیبت نہ کرو، دل آزاری نہ کرو، ان باتوں میں اور ان ہدایات میں تو اختلاف ہے نہیں اس لئے جو اختلاف کی بنا قائم کی گئی ہے اسی کو میں مثالاً لیوں نہ واضح کردوں۔ مثلاً صلوٰۃ و زکوٰۃ

صلوٰۃ ازلی ہے مصطلح قوم اس لئے اس کی وضاحت کی ضرورت نہ تھی کہ قوم واقف تھی پھر بھی وضاحت موجود ہے جس کو واضح طور پر سلسلۂ حقانیہ میں میں نے واضح کر دیا ہے۔ لیکن مختصر سی یاددہانی یاد رہنے والی ہوتی ہے اس لئے مختصراً جس سے عمل متواتر کی بھی وضاحت ہو جائے انسب خیال کر کے کچھ لکھدینا چاہتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کی ملت کے اتباع کے ہم امور ہیں کہ اتبع ملة ابراهيم حنيفا ان کی نماز قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے قائمین والركع السجود۔ قیام و رکوع وسجود۔ قوم کی نماز بھی جو رسول کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ یہی قیام و رکوع وسجود والی نماز ہے۔ اسی ترتیب کے ساتھ تفصیل بلاغ الحق میں دیکھو، تو یہی نماز، سنی، شیعہ، خوارج، اہل فقہ حنفی، شافعی، مالکی حنبلی، غرض مسلمانوں کے سارے فرقوں میں موجود ہے۔ پھر قیام میں تسبیح و سورہ فاتحہ اور کچھ قرآن کی آیتیں پڑھنی اور رکوع وسجود میں تسبیح پڑھنی یہ سارے فرقوں میں ہے۔ اور یہی قرآن کی آیتوں کی شہادت بھی ہے جو بلاغ الحق میں دی گئی ہے اور عمل متواتر سے بھی یہ اصطلاح واضح ہوگئی ہے۔ ہاں عمل متواتر کے طرز میں کچھ اختلافات بھی پائے جاتے ہیں تو جہاں تک قرآن مؤید ہے وہ تو فرض عین ہے۔ اس کے سوا جو اختلافات ہیں وہ سمجھا جائے گا کہ یہ اختلافات مجاز میں ہیں۔ انسان مجاز کیا گیا ہے کہ یوں کرو یا دوں کرو۔ قیام تو فرض ہوا اب ہاتھ باندھو، نہ باندھو، کہیں پر باندھو، یا رفع یدین کرو نہ کرو، آمین بالجبر کہو یا باخفا، پاؤں سٹاؤ نہ سٹاؤ، تم مجاز ہو، سب صحیح ہے۔

اس لئے سب کی نماز صحیح ہے ۔ پھر بغیا بینھم کے اصول پر فرقے کیوں بناؤ، ایک دوسرے کو کافر کیوں کہو۔ خدا و رسول جب الگ الگ نہیں تو مسجد کو الگ الگ کیوں کرو، اور پھر پھوٹ ڈال کر قوم کو تباہ کیوں کرو۔ تمہارا نام تو خدا نے مسلمان رکھا تو اپنے کو صرف مسلمان کہو، گروہ بندیوں کا تفرقہ انداز نام رکھ کر رسول کی اُمت سے نکل کر دوسروں کی اُمتوں میں کیوں اپنا نام لکھواؤ ۔

ایسی ہی زکوٰۃ فرض ہے اس کا وصول کیا جانا لازم اب کیسے وصول کرو یہ تمہاری عقل کے حوالہ ہے ۔ اس میں تم مجاز ہو۔ عمل متواتر بھی اسی کی شاہد ہے تفصیل طویل ہے اس لئے اسی پر کفایت کرتا ہوں ۔

رسومات مذہبی تو علماء و مشائخین کی قائم کردہ ہیں ۔ ان کو مذہب سے تعلق نہیں اور سبیل المومنین نہیں اس لئے اس کو عمل متواتر سے بھی واسطہ نہیں ۔ وہ اگر لغو ہیں تو ممنوع خداوندی ہیں والذین ھم عن اللغو معرضون اگر ان میں شرک کی باس بھی ہے تو وہ تو مشرک اور مرتد بنانے والی ہیں ۔ وہ تو شیطانی اعمال ہیں جن سے خدا و رسول بیزار ہیں ۔

المختصر عمل متواتر کو مفصّل دیکھنا ہو تو شرعتہ الحق میں دیکھو۔ پیرانہ سالی زیادہ طویل لکھنے کی اجازت نہیں دیتی ۔ اتنا لکھنے سے غرض یہ ہے کہ عمل متواتر کو کوئی حق قرآن میں یعنی مذہب اسلام میں دخل اندازی کا نہیں ہے ۔ جیسے کتب لغات و مصطلحات یا حدیث اور اسناد سے ہم مصطلحات معلوم کر سکتے اور فوائد حاصل کر سکتے ہیں اسی طرح عمل متواتر سے بھی مگر قرآن میں اور دین آلٰہی میں کمی و بیشی رخنہ اندازی یا دست درازی کا حق کسی کو نہیں نہ عمل متواتر کو نہ حدیث کو ۔

لوگوں نے سب کو دست درازی کا حق دے دیا ہے کیونکہ عقیدہ یہ قائم کیا گیا کہ مذہب ہمہ گیر ہونا چاہئیے جو عقل کو پنجروں میں بند کرے ۔ یعنی مذہب ایسا ہمہ گیر ہونا چاہئیے جس میں چوکا کی بھی تعلیم ہو، پائخانہ پیشاب کی بھی کلوخ استعمال کرنے کے طریقے بھی سکھائے جائیں کہ اتنے کلوخ ہوں آگے سے یوں استعمال ہوں اور پیچھے سے یوں چھینکو تو کس طرح اور اس وقت کیا پڑھو اور سننے والا کیا جواب دے، لباس ایسا ہو، مونچھ ایسی ہو، ڈاڑھی ایسی ہو، غرض مذہب ایسا ہمہ گیر ہو جو تمہاری عقل خداداد کو پابندیوں کی جیل میں اس طرح پابہ زنجیر کرے کہ جہالت خندہ زن ہو کہ تم عقل سے کام لینے کے کسی طرح مجاز نہیں ہو سکتے۔ مورت

بناؤ نہیں لیکن خود مورت بن کر اپنی پوجا کراؤ۔ حالانکہ مذہب ظاہر و باطن پاک کرنے کے لئے ہے کہ ذروا ظاھر الاثم و باطنہ اور ہدایات ربانی اور نعمت و انوار روحانی بن کر آیا ہے کہ تم انسان کامل بنو اور ہاتھوں سے آزادی کا چتر لگا کر خدا کی طرف سے خدا کے ہو کر خلافت الٰہی کا تاج سر پر رکھو اور امانت الٰہی کو یوں اٹھاؤ کہ خدا و رسول کے آگے سرخرو اور فائز المرام ہو سکو۔ اس کی سیدھی راہ خدا نے شریعت بنا کے دیدی ہے کہ شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحاً و الذی اوحینا الیک جو ازلی ہے اس شریعت کو خالص رہنے دو اس میں شرک کرکے اور شریک کرکے آلودہ نہ کرو۔ جیسا کہ مسلمانوں نے احبار و رہبان کو شریک کرکے کیا ام لھم شرکٰٓؤا شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ کے مورد بنے۔ اے لوگو! خدائی شریعت قرآن میں ہے اور جو کچھ قرآن میں ہے خدائی شریعت ہے اس میں احبار، رہبان، حدیث و فقہ، عمل متواتر یا عمل مشائخین کسی کو دخل اندازی کا حق نہیں۔ اس قرآن سے فاضل کام انجام دینے کے لئے تمہیں عقل دی گئی ہے، کہیں عقل کی شخصی رہنمائی کی ضرورت ہوگی، کہیں اجتماعی مشوروں کی۔ یہی فطرت کے مطابق بھی ہے بس اسی طرح انجام دو اور انجام دیتے رہو کہ یہی فلاح کی راہ ہے۔

چونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ایمان میں داخل ہیں جن کی بدولت ہم کو قرآن ملا کلام اللہ ملا، اس لئے خدا کے ساتھ رسول کی محبت اور اس لئے رسول کی اطاعت جو عین قرآن اور خدا کی اطاعت ہے ہم پر فرض ہوئی۔ اس کی تعمیل تو گئی گذری ہوئی، مگر رسول کے نام کی ہیبت دکھا کر کس طرح قرآن کے خلاف اور حدود قرآنی توڑنے والی حدیثیں رسول کی حدیث منوائی گئی ہے بلکہ قول رسول حدیث ہی نہیں اقوال رسول کو جس جس طرح سمجھنے والوں نے سمجھا اور دو سو برسوں تک قصے کہانیوں کی طرح وہ رائج ہے وہ حدیث ہے اسی طرح اقوال و افعال صحابہ باہمہ اختلافات سب ناسخ قرآن حدود قرآنی توڑنے والے کم و بیش کرنیوالے۔ یہ ہے موجودہ اسلام۔ قال الرسول یا رب ان قومی تخذوا ھذا القرآن مھجورا

اسوۂ حسنہ ۔ یہ بھی جو علما نے سمجھا اور جو قوم کو سمجھایا وہ قرآن کے خلاف اور افسوسناک ہے۔ جس طرح ما اتٰکم الرسول فخذوہ و ما نھٰکم عنہ فانتھوا (جو رسول دیں وہ لے لو جو نہ دیں وہ نہ لو) یہ فرمان جو عطیہ مال غنیمت کے متعلق ہے اس کو عطیہ حدیث سمجھا گیا ہے۔ اسی طرح لقد کان لکم فی

رسول اللہ اُسوۂ حسنۃ کو اسی اسوہ سے توم پر حدیث مصنف فلاں ابن فلاں کا نا قابل برداشت بوجھ سر پر ڈال دیا گیا ہے جس کی حقیقت قرآنی یہ ہے۔

اسوۂ حسنہ کا لفظ قرآن مجید میں کل تین جگہوں میں آیا ہے۔ دو جگہ سورۂ ممتحنہ میں اور ایک جگہ سورہ احزاب میں۔ وہ دو آیتیں جو سورہ ممتحنہ میں ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے اسوہ بیان کر کے ہم مامور کئے گئے ہیں اسی طرح سورۂ احزاب میں حضرت خاتم المرسلین صلعم کے اسوۂ حسنہ کو بیان کر کے ہم مامور کئے گئے ہیں۔ یہ سب آیتیں تفصیل کے ساتھ بلاغ الحق میں دیدی گئی ہیں یہاں مجھے مختصر لکھنا ہے۔

خدا نے فرمایا قد کانت لکم اسوۃٌ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہٗ۔ اذ قالوا لقومھم انّا براءٓؤ منکم و ممّا تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابداً حتّٰی تؤمنوا باللہ وحدہٗ (تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے صحابہؓ کے اتباع میں اسوۂ حسنہ ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہدیا تھا کہ ہم تم سے اور جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں اور منکر ہیں تم میں اور ہم میں ہمیشہ کے لئے دشمنی اور کاوش پیدا ہو گئی، جب تک تم ایک اور اکیلے خدا پر ایمان نہ لاؤ) ـــــ ہم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صحابہؓ کے اسوۂ حسنہ کی تعمیل کی ہدایت کی گئی نہ ان کی حدیثوں اور ان کے صحابہ کے تذکروں کی تعمیل واجب کی گئی۔ جن کا وجود بھی دنیا میں نہیں۔ یہ تکلیف مالا یطاق خدا سے ناممکن ہے۔

اسی سورہ میں دوسری جگہ فرمایا لقد کان لکم فیھم اسوۃ حسنۃ البتہ تمہارے لئے ابراہیم کی اس روش میں اسوۂ حسنہ ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس کو بھی اگلی ہی آیتوں سے تعلق ہے۔ اس میں بھی وہی ہدایت کی گئی کہ ہم ماسوا پرستوں سے بیزار رہیں اور ان سے ترک موالات کریں جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔

اے لوگو! اس اسوۂ حسنہ کو علما اور جمعیت علما کے کانوں تک پہنچا دو عمل کی توفیق تو خدا کے ہاتھ میں ہے ان سے کہدو کہ عبا و جبہ اور مقدس صورت بنانا اور تقدس کا مدعی ہونا کسی کا اسوۂ حسنہ نہیں۔

اسی طرح سورۂ احزاب میں ہمارے رسول کا اسوہ بیان ہوا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (تمہارے لئے رسول کی پیروی بہتر تھی) یعنی جو لوگ جنگ احزاب میں بھاگ کھڑے ہوئے اور جنگ سے منہ موڑا ان کو بھاگنا نہ تھا وہ بھاگ کر کہاں جائیں گے ان کو تو اسوہ رسول کی پیروی کر کے

جاں بازی دکھائی تھی یہ اون کے حق میں بہتر تھا - سورۂ احزاب کا تیسرا رکوع پڑھ جاؤ رکوع بڑا ہے اور خلاصہ یہی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ ہوا کفار و بت پرستوں سے بیزاری اور جب تک ایمان نہ لائیں ان سے بغض عداوت اور ترک موالات کرنی - اور ہمارے رسول کا اسوۂ حسنہ ہوا کہ جنگ جہاد میں باوجود بہتر سے مصائب کے نہ بھاگنا اور خدا کی راہ میں جان بازی دکھانی - بس یہی اسوۂ حسنہ ہے جس کے ہم مامور ہیں -

اس سے یہ کہیں نہیں ثابت ہوتا کہ ہم اس زمانہ کے تمدن کے قومی معاشرت کے لباس و طعام کے اور ہر ایک حرکتوں کے مامور ہیں -

ہاں اگر قوم کو خاص کو عام کرنا ہے جیسا کہ اس کی روش ہے تو یوں سمجھو کہ خدا نے قرآن نازل فرما کر اس کی اطاعت رسولؐ اور مسلمانوں پر فرض کر دی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اطاعت و عبودیت کا حق ادا کیا اس لئے یہی قرآن کتاب اللہ ہے یہی سنت رسول اللہ ہے اور یہی رسول کا اسوۂ حسنہ ہے - اس کی تعمیل کر کے تم اطاعت رسول اور اطاعت اسوۂ حسنہ کا ثبوت دو کہ تمہارا حال ہو جائے ان صلواتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین -

اے بھائیو! پناہ خدا کے سوا کہیں نہیں - الیھا المرجع والمآب جب ایسا ہے تو ففروا الی اللہ انی لکم منہ نذیر مبین -

لا الہ الا اللہ　　محمد رسول اللہ　　والقرآن کلام اللہ

سید محب الحق عفی عنہٗ

معارف القرآن کیا ہے؟

پرویز

طلوع اسلام کی ابتدائی چند اشاعتوں میں میری زیر تالیف کتاب "معارف القرآن" کے چند صفحات شائع ہوئے تھے۔ اس کے بعد بوجہ عدم گنجائش یہ سلسلہ منقطع ہوگیا لیکن اس کے متعلق استفسارات کا سلسلہ اس وقت تک جاری ہے بعض احباب اس کی تفصیلات دریافت فرماتے ہیں بعض اس کی ترتیب و تدوین کے متعلق پوچھتے ہیں۔ یہ بھی دریافت کیا جاتا ہے کہ یہ کب تک شائع ہوگی۔ کیا دیر ہے؟ کیوں تاخیر ہو رہی ہے؟ ان احباب کو فرداً فرداً جواب لکھنا مشکل ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ مستفسر حضرات کی تسکینِ خاطر کے لئے جن تفصیلات کی ضرورت ہے۔ خطوط و مکاتیب ان کو محیط نہیں ہوسکتے۔ بنابریں ضروری سمجھا گیا کہ اس کے متعلق طلوع اسلام میں ہی کچھ شائع کر دیا جائے تاکہ یہ مختلف استفسارات کا جواب بھی ہو جائے اور دوسرے حضرات کی اطلاع یابی کا ذریعہ بھی۔

کائنات کی ہر شے ایک لگے بندھے قانون کے ماتحت زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ ایک حقیر ذرہ سے لے کر زمین سے کئی لاکھ گنا بڑے عظیم الشان کرۂ آفتاب تک۔ اور صرف ایک کرۂ آفتاب ہی نہیں بلکہ پورے کا پورا نظام شمسی اور نظام شمسی جیسے لاکھوں اور نظام اپنے اپنے دوائر و مساکن میں فطرت کے معینہ قواعد و ضوابط کے ماتحت سرگرم عمل ہیں وللہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض۔ کل لہ قانتون (پستیوں اور بلندیوں کی ہر شے اُس کے قانون کے سامنے سجدہ ریز اور اطاعت کوش ہے) بڑے سے بڑے کرہ کی بھی مجال نہیں کہ اپنی رفتار میں ایک ثانیہ کی بھی کمی بیشی کر سکے۔ اپنے راستہ سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہٹ جائے اگر کبھی ایسا ہو جائے تو ساری کائنات کا مزاج بگڑ جائے۔ کوئی شے اپنی اصلیت پر باقی نہ رہے۔ ہر جگہ فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ دنیا کھنڈرات کا ڈھیر بن کے رہ جائے۔

جب فطرت کی ہر شے یوں ایک خاص قانون اور نظام کے ماتحت زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ انسان جو مخلوق میں سب سے اشرف ہے اور جس کی زندگی کی نقل و حرکت کے اثرات و نتائج بڑے دُور رس ہوتے ہیں اس کے لئے فطرت کی طرف سے کوئی قانون اور نظام متعین نہ کیا گیا ہوگا؟ ایسا سمجھنا خدائے علیم و حکیم کے متعلق بڑا غلط اندازہ لگانا ہے۔ یہ قواعد و ضوابط جس کے ماتحت زندگی بسر کرنے کے لئے انسان کی تخلیق ہوئی ہے خدا کی طرف سے بذریعہ وحی انسانوں تک پہنچتے رہے اس سلسلہ کی ضروری کڑی قرآن کریم ہے۔ چونکہ پہلی کڑیاں نہ تو محفوظ رہ سکیں اور نہ ہی اُن سے غرض یہ تھی کہ وہ انسانیت کے انتہائی مقتضیات کو کفایت کریں۔ اس لئے ضابطۂ خداوندی کی آخری اور مکمل شکل صرف قرآن کریم ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے تو اس سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔ یعنی اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ وہ کونسا قانون اور نظام ہے جس کے مطابق انسانوں کو زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو اس کا ایک اور صرف ایک جواب ہے کہ وہ ضابطۂ قوانین قرآن کریم ہے (چونکہ اس وقت میرے مخاطب صرف مسلمان ہیں۔ اس لئے میں اس دعوے کے اثبات کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ جب تخاطب غیر مسلموں سے ہوگا تو اس وقت انھیں جداگانہ طریقہ سے سمجھایا جائے گا کہ تنہا عقل انسانی راہ نمائی کے لئے کیوں کافی نہیں اور فطری زندگی کے لئے قرآنی ضابطہ ہی کیوں۔ واحد۔ آخری۔ اور مکمّل ہے)

دنیا کا نظام اعتدال پر اُس وقت ہوگا۔ جب دنیا قرآنی ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرے گی۔ اس کے خلاف زندگی بسر کرنے کا نام فساد اور اس کا نتیجہ وہ جہنم ہے جس سے دنیا آج گزر رہی ہے اس جہنمی زندگی میں آج "مسلمان" بھی اسی طرح مبتلا ہے جس طرح "غیر مسلم"[۱]۔ یہ چیز فی الواقعہ بڑی عجیب معلوم ہوگی۔ لیکن اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ قوانین فطرت کی خلاف ورزی "مسلمان" نام رکھنے والے کریں یا "غیر مسلم"

---

[۱] میں یہ لکھ رہا ہوں اور میری نگاہوں کے سامنے وہ تمام پیشانیاں ہیں جن پر اس سے غم و غصہ سے شکن پر شکن پڑ رہے ہیں لیکن جس چیز کو میں علیٰ وجہ البصیرت حق سمجھتا ہوں۔ اس کے اظہار سے کسی کی چین بر دہانی مانع نہیں ہو سکتی۔ قرآن دیکھ لینے کے بعد کم از کم میں تو اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ پرویز

نتیجہ دونوں کو بھگتنا پڑے گا۔ محض نام بدل دینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ سنکھیا کو سنکھیا سمجھ کر چاٹئے یا قند کا ٹکڑا۔ نتیجہ دونوں صورتوں میں ہلاکت ہوگا۔ مسلمان جس چیز کو آج "قند" سمجھ رہا ہے۔ وہ قند ہے نہیں۔ سنکھیا ہی ہے

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم اس قدر سادہ اور دل میں اُتر جانے والی اور اس کے مہمات اصول۔ قوانینِ فطرت کی طرح۔ ایسی محکم اور غیر متبدل بنیادوں پر قائم ہیں کہ انھیں قبول کرنے میں ذہن انسانی کو اور ان پر عمل پیرا ہونے میں قلب و جوارح کو فطرت انسانی کے خلاف جنگ کرنی نہیں پڑتی، بلکہ عین فطرت ہونے کی وجہ سے تمام نوعِ انسانی اسے قبول کرنے پر مجبور ہوگی۔ لیکن جس تعلیم کو آج عام طور پر اسلامی تعلیم کہا جاتا ہے وہ لاینحل مباحث، پیچیدہ مسائل اور بے نتیجہ رسوم و مظاہر کا ایسا گورکھ دھندا ہے کہ اُسے قبول کرنا تو درکنار اس کے سلجھانے کی ہر کوشش اس کے اُلجھاؤ کو پیچیدہ تر کر دیتی ہے۔ دینِ فطرت کی حقیقی روح ہمیں قرونِ اولیٰ میں نظر آتی ہے جب سوسائٹی کا تمام نظام، فطرت کے حسین و سادہ خطوط پر متشکل ہو چکا تھا اور ہر عمل کا ایک درخشندہ نتیجہ نگاہوں کے سامنے آجاتا تھا۔ لیکن وہ دورِ عمل، وہ مجاہدانہ خدا پرستی کا زمانہ جلد گزر گیا۔ خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی اور رفتہ رفتہ ملوکیت کی تمام ہلاکت آفریں خرابیاں اور عجمی تکلفات اسلامی تمدن پر چھا گئے۔ یوں تو ملوکیت کی ابتدا بنی اُمیہ کے زمانے سے ہوگئی تھی۔ لیکن عہدِ عباسیہ میں عجمیت اسلامی روح پر اس درجہ غالب آگئی تھی کہ اس کے نظر فریب اور رنگا رنگ نقابوں کے اندر عروسِ حقیقت کا سراغ بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ عباسی دور ہمارے علمی کارناموں کا درخشندہ عہد ہے اس دور میں یونانی فلسفہ عربی میں منتقل ہوا۔ اسرائیلیات کے افسانے قصصِ قرآنی میں "ربط و نظم" قائم کرنے کے لئے زیبِ داستاں بنے۔ فرصت اور فراغت کی بدولت "شمشیر و سنان" کی ولولہ انگیزیاں "طاؤس و رباب" کی بزم خیزیوں میں تبدیل ہوئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو قوائے عملیہ بیکار ہوگئے اور دوسری طرف اسلام کی فطری تعلیم عجمی تصورات کے پردوں میں چھپ کر فلسفیانہ موشگافیوں اور قصص و روایات کی توہم پرستیوں کی نذر ہوگئی۔

زوالِ بغداد کے بعد صورت حالات بد سے بدتر ہوگئی۔ مرکزیت فنا اور امت ریت کے ذروں کی طرح بکھر گئی۔ ہر زاویہ اور ہر گوشہ جداگانہ مرکز بن گیا۔ اب نہ دلوں میں وہ سیماب آسا ولولہ اور جوش تھا

نہ نگاہوں میں قرآنی بصیرت۔ مشکل اندر مشکل کہ آگے بڑھے تو ایران کے آتشکدوں کی گرمیٔ نفس اور حرارتِ سخن نے اس تصوف کو فردوس نگاہ بنا دیا جس کی رو سے دین انفرادی تزکیۂ نفس اور ذاتی ارتقاءِ روحانیت کا نام بن گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اجتماعی اور مرکزی زندگی جو اسلام کی مابہ الامتیاز خصوصیت اور دینِ فطرت کی اصل تھی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی اور عملی رہبانیت کے عناصر ایک ایک کرکے جزوِ دین بن گئے۔ ان حسین وجمیل اور مرصع ومنقش عجمی پردوں میں ملبوس "اسلام" جب درۂ خیبر سے آگے بڑھا تو ہندوستان کی ویدانت نے بڑے تپاک سے اس کے ماتھے پر سیندور کا قشقہ لگایا اور اس کے چرنوں میں اپنی شردھا کے پھول چڑھائے۔ یہاں ناقوس اور آذان میں ہم آہنگی کی کوششیں شروع ہوئیں۔ تسبیح کے دانے رشتۂ زنار میں پروئے جانے لگے۔ زمزم وگنگا کے امتزاج سے ایک نئے چشمۂ زندگی کی تحقیق شروع ہوئی۔ خاکِ حجاز اور جمنا جل کے مسالہ سے خدا کے ایک نئے گھر کی تعمیر سطحِ خیال سے ابھرنے لگی۔ ہندی رسومات شعائرِ دین بن گئیں۔ برہمن کا فلسفۂ حیات مسلمانوں کے رگ وپے میں سرایت کرگیا اور بالآخر دینِ حجازی کا یہ "بیباک بیڑہ" گنگا کے دہانے میں ڈوب گیا۔ ادھر یورپ سے الحاد و مادہ پرستی کا بحرِ مواج اپنی تمام شورانگیزیوں اور طوفان خیزیوں کے ساتھ امڈتا ہوا آیا جس میں کہیں علانیہ انکارِ وجود کی کف بردہاں اور پُرگرداب طغیانیاں تھیں اور کہیں عقل پرستی اور تجدد پسندی کی بظاہر ساکت وخاموش لیکن درحقیقت بھیانک اور خوفناک روانیاں، جو خدا، رسول، وحی آخرت غرضیکہ ایمان اور ایقان کی ہر متاعِ عزیز کو خس وخاشاک کی طرح اپنے ساتھ بہائے لئے جارہی تھیں۔ دینِ فطرت میں تو یہ صلاحیت تھی کہ وہ ایسے طوفانِ بلا سے زیادہ مہیب ومہیج طغیانیوں کا مقابلہ کرسکتا۔ لیکن جن ریت کی دیواروں نے دین کے حصنِ حصین ہونے کا دھوکہ دے رکھا تھا ان میں یہ تاب کہاں تھی کہ وہ اس بلاانگیزی کی روک تھام کرسکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نوجوان طبقہ دین سے بیگانہ ہی نہیں بلکہ متنفر ہوگیا۔ مذہب پرست طبقہ نے تکفیر وتفسیق کے فتاویٰ کو بڑھتے ہوئے فتنوں کا سر کچلنے کے لئے کافی سمجھ کر اپنی خود فریبی اور عملاً اعترافِ شکست کا ثبوت بہم پہنچایا (الا ماشاء اللہ) مذہب پرست طبقہ کی سب سے بڑی کمزوری اس کی ماضی پرستی ہے جو اسے اپنے تصورات کے تنگ دائرہ

سے باہر قدم رکھنے نہیں دیتی ۔ ماضی پرستی کا تاگا اس طائرِ لاہوتی کے پنجوں میں کچھ اس انداز سے لپٹا ہے کہ وہ اسے دینِ فطرت کی فضائے بسیط میں بال کشا ہونے ہی نہیں دیتا ۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے متعلق ارشاد فرمایا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (تم بہترین قوم ہو جو نوعِ انسانی کے لئے پیدا کی گئی ہے) اور انھیں ہلاکت و تباہی کے عمیق غاروں سے بچانے کے لئے ایک مشعلِ ہدایت اور نورِ مبین عطا فرمایا کہ وہ اسے جادۂ حیات میں پیشِ پیش رکھیں اور زندگی کے ہر شعبے میں جو قدم بھی اُٹھائیں اسی کی روشنی میں اُٹھائیں تاکہ راستہ کے پُرخطر اور مہیب نشیب و فراز سے مامون و مصئون رہ کر منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں لیکن مذہب پرست طبقہ نے اس روشنی کو آگے رکھنے کی بجائے کہ جس سے سامنے کا راستہ روشن ہوتا۔ اپنے پیچھے رکھا جس سے قطع شدہ منزل تو ضرور درخشندہ و تابناک نظر آنے لگی لیکن سامنے کا راستہ خود اپنے سایہ کی وجہ سے تاریک تر ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ غلط راستہ کو صراطِ مستقیم سمجھا جاتا ہے ۔ غلط مسلمات غلط معتقدات ۔ غلط نظریے دین کا نچوڑ قرار دیے جاتے ہیں ۔ نمازوں کا رخ قبلہ نما کی مدد سے درست کیا جاتا ہے لیکن یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کہیں قبلہ نما بگڑ کر ”ترکستان“ کا رخ تو نہیں بتا رہا ہے ۔ جس اطاعت کو خدا اور رسولؐ کی اتباع سمجھا جاتا ہے وہ محض انسانوں کی اتباع ہوتی ہے ایسے انسانوں کی اتباع جن کے برسرِ حق ہونے کی سند صرف اتنی ہے کہ وہ ان سے سو برس پیشتر پیدا ہوئے تھے رفتہ رفتہ حالت یہ ہو جاتی ہے کہ

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا ولو کان آباءھم لا یعقلون شیئًا ولا یھتدون ۔ ۲/۱۷۰

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو نازل کیا ہے اُس کی اتباع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی طریق پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو دیکھا ہے ۔ اگرچہ ان کے آباء و اجداد نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت ۔

اگر آپ ایسے لوگوں کو مروجہ دساتیر و آئین سے جو نسلاً بعد نسلٍ متوارث چلے آئے ہیں ۔ ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہٹنے کی دعوت دیں گے تو وہ یہ سمجھ کر تڑپ اُٹھیں گے کہ اُن کے معتقدات کی متاعِ عزیز ان سے چھنی جا رہی ہے ۔ ساتھ ہی وہ اس خیال سے بھی لرز جائیں گے کہ مروجہ اعمال و عقاید کو بدل لینے کا یہ مطلب

ہوگا کہ ان کے بزرگ غلطی پر تھے۔ ماضی پرستی اور غلط عقیدت کے یہ وہ بت ہیں جنہیں یہ لوگ اپنے کعبۂ دل میں لئے بیٹھے ہیں اور ان کے خلاف ایک حرف سننے کے لئے تیار نہیں۔ اگر کوئی چیز صریحاً قرآن کریم کے خلاف ہو۔ لیکن اس کے جواز میں بدبختی سے کسی پیش رو انسان کی سند مل جائے تو غلط نظریہ چھوڑ دینے کی بجائے وہ ساری کوشش اس میں صرف کردیں گے کہ خود قرآن کریم کے معنی بدل دئے جائیں اور اگر وہ اس سعیٔ لاحاصل میں ناکام رہیں تو پھر یہ کہہ کر دل کو بہلا لیتے ہیں کہ اُن پہلے لوگوں کے سامنے بھی تو قرآن تھا۔ ہم ان کے علم و بصیرت کی بلندیوں تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ یہ جو قرآن کریم اور ان کے مسلک میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے ہماری اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے ہے۔

ماضی پرستی کی بنا پر ایک اور خطرناک عقیدہ یہ پیدا ہوجاتا ہے کہ قرآن کریم جیسی ہمیشہ زندہ رہنے والی کتاب کو ایک خاص ماحول کا پابند کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ فطرت کی کوئی شے کسی خاص زمانہ اور زمانہ کے خاص احوال و ظروف میں مقید ہو کر نہیں رہ سکتی۔ قرآن کریم خدا کا آخری پیغام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک حیات انسانی سے متعلق جس قدر مسائل پیدا ہوں گے اُن سب کا حل اس کے اندر ملے گا۔ یعنی جیسا کہ میں نے ابھی پچھلے دنوں اپنی ایک تقریر میں کہا تھا جس طرح فطرت کی کوئی شے ایسی نہیں جو کسی زمانہ میں جاکر یہ کہدے کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اسی طرح قرآن کریم بھی کبھی یہ نہیں کہیگا کہ اب میں تھک گیا۔ جو کچھ میرے اندر تھا سب باہر آچکا۔ کسی اور رہبر کی تلاش کرو۔ قطعاً نہیں۔ اسلام کے دین فطرت ہونے کا بھی یہی مفہوم ہے کہ قرآن کریم کسی خاص ماحول میں مقید نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم ہر زمانہ کا ساتھ دینے کے لئے مکمل کیا گیا ہے۔ زمانہ کا علم و عقل جن بلندیوں تک چاہے پہنچ جائے قرآن کریم ہمیشہ دس قدم آگے ہی نظر آئے گا۔ جو بات آج سمجھ میں نہیں آتی کل کے تجربات و مشاہدات اسے خود بخود سمجھادیں گے اور اس طرح قرآن کریم کی ایک ایک بات حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آئیگی۔ برعکس اس کے قرآن کریم کو کسی خاص ماحول میں مقید کر دیجئے اور یہ سمجھ لیجئے کہ جیسا کچھ یہ سمجھا جاچکا ہے۔ اس سے بہتر یہ سمجھا ہی نہیں جاسکتا تو پھر آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ اسے قیامت تک ساتھ دینے والی کتاب کس طرح تسلیم کیا جائے گا تعجب ہے کہ کتاب الٰہی کو صحیفۂ فطرت ماننے والے اس کے متعلق یہ یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اس سے ازمنۂ گذشتہ

ہیں حاصل کیا جا سکتا تھا حاصل کیا جا چکا ہے۔ اب یہ کتاب (نعوذ باللہ) بیکار ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر عصر حاضرہ کے انسان اس سے زندگی کا پیام لینا چاہیں۔ اور اپنی بڑھتی ہوئی مشکلات کا حل اس سے دریافت کریں۔ تو جب تک وہ اپنے آپ کو ہزار پانچ سو سال پیچھے نہ لے جائیں وہ اس سے مستفیض نہیں ہو سکتے۔ اس نظریئے کے ماتحت قرآن کریم میں تفکر و تدبر کا دروازہ بالکل بند ہو جاتا ہے۔ اور ذہن انسانی رفتہ رفتہ جمود و تعطّل کی برف کی سلوں سے مفلوج اور شل ہو کر رہ جاتا ہے لیکن قرآن کریم میں تدبر کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اسے انسان اپنے ذہن کے تابع کر لے۔ یعنی پہلے اپنے ذہن میں کچھ خیالات راسخ کر لے پھر قرآن کریم کو ان کے قالب میں ڈھالنا شروع کر دے۔ یہ تو کھلا ہوا ناقابلِ معافی شرک ہے۔ قرآن کریم کے حقائق تو محکم اور اٹل ہیں۔ وہ انسان کے امیال و عواطف اور رجحانات و جذبات کے ماتحت نہیں ہو سکتے۔ مومن وہ ہے جو اپنے تمام رجحانات قلبی و ذہنی کو خدا کی اس مقدس کتاب کے تابع کر دے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب قرآن کریم گزشتہ زمانہ کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا۔ اور کوئی شخص اسے اپنے خیالات کی روشنی میں سمجھ نہیں سکتا تو پھر اسے سمجھا کیسے جائے۔ قرآن کریم کی رو سے اس سوال کا جواب کچھ مشکل نہیں۔ قرآن کریم کا دعوٰے ہے کہ وہ اپنی تفسیر آپ ہے اور اس تفسیر میں وہ کسی خارجی ذریعہ کا محتاج نہیں۔ اس کی ہر بات خود اسی کی مدد سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ ہاں حضرات بزرگان کرام علیہم الرحمۃ کے علمی کارنامے جو ہمارے لئے باعث صد افتخار ہیں ان سے ہم بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ لیکن وہ قرآن کریم میں غور و تدبر میں مؤید ہوں گے۔ قرآن کو سمجھا قرآن ہی سے جائیگا۔

قرآن کریم کے مضامین جس انداز و طریق سے بیان کئے گئے ہیں اور ان کی ترتیب میں جو حُسن اسلوب اور نظم و ربط ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اس سے بہتر تو کجا اس جیسا اسلوب و انداز انسان کے حیطۂ امکان میں نہیں۔ اور یہ ایمان محض خوش عقیدگی پر ہی مبنی نہیں بلکہ اس کی بنیاد علم و بصیرت پر ہے (اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) لیکن قرآن کا انداز ترتیب و بیان انسانی تصنیفات سے الگ ہے۔ وہ ایک مضمون کو مسلسل اور ایک ہی مقام پر بیان نہیں کرتا۔ ایک جگہ ایک حکم مذکور ہے۔ دوسری جگہ اس پر اضافہ ہے

کہیں استثنا ہے۔ کہیں اجمال ہے۔ کہیں اس اجمال کی تفصیل ہے، اس لئے قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے
یہ ضروری ہے کہ مسئلۂ زیر نظر کے متعلق تمام مقامات و مباحث بیک وقت نگاہوں کے سامنے آجائیں
جس زمانہ میں مسلمانوں کو قرآن سے شغف تھا۔ اور وہ اس کی حقیقی قدر و قیمت سے آگاہ تھے انھیں اس
قسم کا عبور حاصل تھا۔ لیکن آج حالات بالکل مختلف ہیں۔ یہ امر موجب طمانیت ہے کہ نوجوان طبقہ
میں قرآن کریم کی طرف کچھ رحجان پیدا ہو رہا ہے۔ ان میں ایک پیاس کے آثار نظر آتے ہیں۔ جسے وہ کتاب
حکیم کے چشمۂ حیات سے سیراب کرنے کے متمنی ہیں۔ لیکن ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے
اس پر وہ عبور حاصل کریں گے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ایک امید موہوم ہے یہ وہ دقت تھی جو بار بار میرے
سامنے پیش ہوتی رہی۔ نوجوانوں کے دل میں قرآن کا شوق پیدا ہوتا وہ مجھ سے پوچھتے کہ ہم قرآن کو کس طرح
سمجھیں۔ اس کا جواب یہی ہو سکتا تھا کہ قرآن کریم کو پڑھو۔ یہ پڑھنے ہی سے سمجھ میں آئے گا۔ لیکن جب
وہ کہتے کہ ہم نے اسے کئی بار پڑھا ہے۔ لیکن نہ صرف یہ کہ وہ سمجھ میں نہیں آتا بلکہ اس کے اندر ہمیں کوئی لذت
اور جاذبیت محسوس نہیں ہوتی۔ تو اس سوال کے جواب میں ایک حقارت آمیز "لاحول" سے کام نہیں
چل سکتا تھا۔ اس لئے کہ سوال کرنے والوں کے صحیح ذوق، سچی تڑپ اور جذبۂ صادقہ میں شبہ کی کوئی گنجائش
نہ تھی۔ میں نے ایک مدت تک اس مشکل کا حل دریافت کرنے میں غور و فکر کیا اور ہر بار اسی نتیجہ پر پہنچتا
رہا کہ قرآن کریم کو ایسی شکل میں پیش کیا جائے کہ اس کے سمجھنے میں تردد و کاوش نہ ہو اور اس کا طریقہ یہی
ہے کہ جو چیز قرآن کریم پر کامل عبور کے بعد حاصل ہونی چاہئے وہ انھیں خود تیار کر کے دے دی جائے۔
یعنی ہر عنوان کے متعلق قرآن کریم کی تمام و کمال تعلیم کو اس طرح یکجا جمع کیا جائے کہ وہ ایک مربوط اور مسلسل
مضمون کی صورت اختیار کر لے۔ یہ چیز ہماری مروجہ تفاسیر میں نہیں مل سکتی۔ اس لئے کہ وہ الحمد سے والناس
تک ایک ایک آیت کا الگ الگ مطلب بیان کرتی جاتی ہیں جس سے مختلف آیات کا مطلب سمجھ میں
آجائے تو آجائے لیکن قرآن کریم کی پوری تعلیم سمجھ میں نہیں آسکتی۔ تبویب القرآن پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں
ان سے بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان میں بالعموم الفاظ کے اعتبار سے آیات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ تعلیم
کے اعتبار سے نہیں کیا گیا اور اگر کہیں تعلیم کا بھی خیال رکھا گیا ہے تو اسے ایک مربوط مضمون کی شکل میں پیش نہیں

کیا گیا۔ ان حالات میں قرآن کریم کی تعلیم کو مذکورہ صدر نہج پر مرتب کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ یہ کام درحقیقت جماعتوں کے کرنے کے ہوتے ہیں لیکن مسلمانوں کے موجودہ تشتت وافتراق کے دور میں جبکہ جماعتی نظام کا تصور ہی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ یہ اُمید کہ کوئی جماعت اس کام کے لئے آمادۂ عمل ہو جائیگی۔ بے بنیاد تھی۔ میں نے کوشش بھی کی کہ کسی جماعت کو اس کام کے لئے آمادہ کر سکوں لیکن ناکام۔ چنانچہ میں نے خود قدم اُٹھایا اور جو نقشہ میرے ذہن میں تھا اس کے مطابق میں نے دو تین عنوانوں کو تجربتہً لیا۔ ابتدا میں دقت تو ضرور ہوئی لیکن جب اس کے نتائج میرے سامنے آئے تو میری نگاہوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ اور سمجھ میں آیا کہ قرآن کریم کا یہ دعوےٰ کہ وہ اپنی تفسیر آپ کرتا ہے کس قدر صحیح ہے اور اس تفسیر میں اور اُس میں جو ذہن انسانی کی رہین منت ہوتی ہے کتنا فرق ہے۔ ایک طرف اہل طلب کا تقاضا تھا کہ ہمیں بتاؤ کہ ہم قرآن کو کیسے سمجھیں۔ دوسری طرف قرآن کریم کو اس نہج سے سمجھنے کی کوشش کے درخشندہ نتائج میرے خیال کو یقین راسخ کی حد تک لے گئے کہ یہ کام کرنے کا ہے۔ کام کی عظمت اور اپنی کمزوریاں ڈراتی تھیں۔ لیکن وقت کی ضرورت اور نتائج کی اہمیت مجبور کرتی تھی۔ کچھ وقت اسی کشمکش میں رہا اس بیم و رجا کے عالم میں سب سے بڑی تقویت حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی شفقت تھی جس نے میری بڑی حوصلہ افزائی کی۔ بالآخر تائید غیبی نے مجھے اس صبر آزما اور عظیم المرتبت مہم پر آمادہ کر دیا۔ اور اس کے بعد میں نے اس فریضۂ مقدس کو مقصد حیات قرار دے کر اپنی فرصت کا ایک ایک لمحہ اس "جنون" کی نذر کر دیا۔ جو احباب میری زندگی اور اس کے مشاغل سے واقف ہیں وہ میری مصروفیتوں سے آشنا ہیں۔ بارہ برس سے اوپر ہونے کو آئے۔ بلا ناغہ یہ سلسلہ جاری ہے۔ سیکڑوں ابواب تجویز کئے گئے ہر باب کے ماتحت سینکڑوں عنوانات قائم ہوئے۔ ہر عنوان سے متعلقہ قرآن کریم کی تعلیم کو یکجا کیا گیا۔ یہ سب کام ہو چکا تو اس منزل کا آخری اور تیسرا مرحلہ شروع ہوا۔ اور ہر عنوان کے ماتحت جمع کردہ آیات میں ایک خاص نظم وربط قائم کرکے انھیں ایک مسلسل اور مربوط مضمون کی شکل میں ترتیب دینا شروع کیا۔ اس مرحلہ سے، جو اس وقت تک اچھا خاصہ طے ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کا ایک ایسا انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف) مرتب ہو گیا ہے کہ ہر موضوع کے متعلق قرآن کریم میں جو کچھ موجود ہے سب بیک وقت ایک ایسے مسلسل اور دلکش مضمون کی صورت میں سامنے

آجاتا ہے۔ جس میں کسی انسانی خیال کو کوئی دخل نہیں اور جس سے قرآنی تعلیم کا کوئی گوشہ نگاہوں سے اوجھل نہیں رہتا۔ قطع شدہ منزل پر جب نگہ بازگشت ڈالتا ہوں تو حیران ہو جاتا ہوں کہ یا اللہ یہ منزل میں نے کس طرح طے کرلی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ کی توفیق اور اس کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو شاید کئی "عمروں" میں بھی مجھ سے اتنا کچھ نہ ہو سکتا۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب بالعموم حروف تہجی کے اعتبار سے رکھی جاتی ہے۔ لیکن معارف القرآن کی ترتیب میں اسی نظم کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو قرآنی تعلیم کی خصوصیت ہے۔ قرآن کریم تمام عقائد و اعمال یعنی نظریات زندگی اور ان کی عملی تشکیل کی بنیاد۔ ایمان باللہ کی محکم بنیاد پر قائم کرتا ہے۔ انسانی رشد و ہدایت کے لئے خدا کا پیغام حضرات انبیاء کرام کی وساطت سے انسانوں تک پہنچتا ہے اور اس کا نظم و نسق ان ہی کی رُو سے اصول فطرت کے مطابق سرانجام پاتا ہے۔ اس تمام تگ و دو اور سعی و عمل کے بعد ایک دوسری زندگی شروع ہوتی ہے جسے حیات اُخروی کہا جاتا ہے یہ ہے ایک سرسری سا انگارہ قرآنی تعلیم کی ترتیب کا معارف القرآن میں بھی اسی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ مختلف مجلدات کے عنوانات بھی یہی قرار پائے ہیں۔

(۱) اللہ (و ملائکہ)

(۲) کتب

(۳) رُسل

(۴) کائنات

(۵) آخرت

"کائنات" کے عنوان میں چونکہ پورا اسلامی نظام۔ قرآنی تعلیم۔ دنیا کے مختلف نظریات حیات۔ اخلاقی، معاشرتی، معاشی۔ تمدنی۔ عمرانی۔ اقتصادی، نفسیاتی مباحث۔ مختلف علوم و فنون۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ اثری تحقیقات علم الارض۔ فلکیات۔ شعائر و مناسک رسوم و مظاہر۔ قوانین ملی۔ بین الاقوامی دساتیر غرضیکہ علم و عمل کے تمام

شعبے آجائیں گے۔ اس لیئے یہ عنوان غالباً ۲ جلدوں میں سمٹیگا۔ اس اعتبار سے ظن غالب ہے کہ یہ مجموعہ چھ ضخیم جلدوں میں مکمل ہوگا۔ ایک ایک جلد بڑی تقطیع کے کم از کم پانچ۔ چھ سو صفحات پر پھیلے گی۔

پہلی جلد بالکل مکمل ہو چکی ہے۔ لیکن اس سے ایک عجیب چیز اور بھی سامنے آئی ہے کہ قرآن کریم کی دعوت کی بنیاد، توحید اور وحدت نفس۔ یعنی وحدت خالق اور وحدت مخلوق کے اصول پر مبنی ہے۔ انسان کو اپنے عہد طفولیت میں کائنات کی ہر شے الگ الگ نظر آتی تھی وہ خاک کے ذرہ اور آسمان کے ستاروں میں کوئی باہمی ربط محسوس نہیں کرتا تھا۔ اس لئے وہ مختلف قوتوں کے حامل مختلف "خداؤں" کے وجود کا قائل تھا لیکن انسانی علم وعقل۔ تجربات ومشاہدات نے آہستہ آہستہ قرآن کریم کے اس دعوے کی تصدیق کرنی شروع کر دی ہے کہ کائنات کی ہر شے کی اصل ایک ہے اور ان میں بہت گہرا ربط وضبط۔ ایسا ربط وضبط کہ

لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

اس لیئے آج حقیقت تک پہنچنے کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ آپ خواہ ایک ذرہ کو لیکر کیوں نہ بیٹھیں پورے کا پورا نظام عالم آپ کی نگاہوں کے سامنے ہونا چاہیئے۔ اور جب آپ اس انداز سے ایک ذرہ کی ماہیت دریافت کرنا چاہیں گے تو اس کے اندر فی الواقعہ پوری کی پوری کائنات پوشیدہ نظر آئیگی قرآن کریم کی تعلیم کا بھی یہی عالم ہے۔ ظاہر بیں نگاہوں کو نہ اس کی آیات میں باہمی ربط نظر آتا ہے نہ اس کی سُورتوں میں کوئی نظم۔ لیکن جب قرآنی تعلیم کا پورے کا پورا نظام سامنے ہو تو پھر ایک ایک آیت اور آیت کے ایک ایک لفظ کے اندر باہمی ربط وضبط نظر آئے گا۔ اور ایک مختصر سے عنوان سے پوری کی پوری تعلیم کا خاکہ آپ کی نگاہوں کے سامنے آجائے گا۔ معارف القرآن کی جلد اول کا عنوان اگرچہ اللہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ ہی کے متعلق مختلف مباحث آئے ہیں۔ لیکن یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ یہ پوری جلد نہیں بلکہ اس جلد میں سے کوئی ایک باب اور اس باب کا کوئی عنوان سامنے آئے، اسلامی تعلیم کا پورے کا پورا نظام آپ کے سامنے آجائے گا۔ ایک دوست۔ اسی جلد کے مسوّدہ میں سے "مشیت یا تقدیر" کا ایک باب مطالعہ کے لئے لے گئے۔ مغرب زدہ۔ ولایت کے تعلیم یافتہ علم الابدان اور علم النفس کی اعلیٰ ترین ڈگریوں کے حامل مطالعہ کے بعد بڑی مسرت اور ایک خاص ولولہ سے کہنے لگے کہ مجھے تو

اس ایک عنوان میں ہی اسلام کی پوری تعلیم کا نچوڑ مل گیا اور محسوس ہوگیا کہ قرآن کس طرح اپنے دعاوی کی بنیاد علم و بصیرت پر رکھتا ہے۔ یہ الفاظ قلب کی ان گہرائیوں کا صاف صاف پتہ دے رہے تھے۔ جہاں سے اُبھر کر وہ زبان تک آئے تھے مطلب اس سے یہ ہے کہ قرآن کریم کا نظامِ تعلیم عجیب ہے۔ جب اس کا اصولی خاکہ ذہن میں آجائے تو اس کے بعد اس کے چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے میں پوری کی پوری تعلیم یوں مرتسم نظر آتی ہے جیسے شبنم کے چمکدار قطرہ میں آفتابِ جہاں تاب اپنے پورے جلال کے ساتھ جھلمل جھلمل کر رہا ہو۔ یا جیسے چاند کی ایک ہلکی سی کرن میں اُس کی پوری تابانیاں عروسِ نو کی طرح سمٹ کر آ بیٹھی ہوں۔ اس لئے یہ پہلی جلد۔ کہنے کو تو صرف الحمد کے عنوان پر مشتمل ہے۔ لیکن درحقیقت اسلامی نظام کا مکمل خاکہ اس کے اندر آگیا ہے۔ اسی طرح ہر جلد میں ہوگا۔ ہر جلد کے شروع میں ایک مبسوط فہرست مطالب ہوگی۔ ایسی مبسوط کہ صرف فہرست دیکھ لینے سے مشمولات کا پورا پورا تصور ذہن میں آجائے۔ آیات کی فہرست الگ ہوگی۔ پھر پوری کتاب کے بعد ایک جامع انڈکس ہوگا۔ یعنی تعلیم اسلام کے متعلق کوئی خیال آپ کے ذہن میں آئے۔ اس انڈکس سے معلوم ہو جائے گا کہ کس مقام پر اس کی تفصیل ملے گی۔ آیات کا مکمل انڈکس الگ ہوگا۔ جس سے بیک نظر معلوم ہو جائے گا کہ فلاں آیت کتاب کے کس کس مقام پر آئی ہے۔

یہ ہے اجمالی سا خاکہ **معارف القرآن** کا جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس کی پہلی جلد مکمل ہو کر کاتب کے پاس جا چکی ہے۔ ہندوستانی پریس میں کتابت و طباعت کے مراحل بھی کچھ کم جانگداز نہیں ہوتے۔ لیکن جس ذات کی تائید و نصرت نے اس عظیم الشان کام کو اس منزل تک پہنچایا ہے۔ اس کے کرم سے اُمید ہے کہ آئندہ کے مراحل بھی بحسن و خوبی طے پا جائیں گے۔ اُس کی ذرہ نوازیوں کے صدقہ میں مجھے چند ایک مخلص دوستوں کی ایسی رفاقت نصیب ہے جو ان ہمت شکن وادیوں میں ہمیشہ میری حوصلہ بندی کا موجب بنتی ہے۔ جی چاہتا تھا کہ اس مقام پر ان کا شکریہ ادا کروں۔ لیکن جھجک کر رک گیا کہ جو رشتہ قرآنی نسبت سے پیدا ہوتا ہے وہ ان تمام رسمیات سے بے نیاز ہوتا ہے۔ البتہ اس باب میں ایک اور بات کا اعلان

ضروری سمجھتا ہوں جس نہج پر میں قرآن کریم پر غور و خوض کر کے اس کی تعلیم کو اس انداز میں پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ملک میں اور حضرات بھی اسی طریق فکر و عمل سے قرآن کریم پر تدبر و تفکر میں مصروف ہوں۔ اس باب میں جو کوشش اس وقت تک میں کر سکا ہوں۔ اس کا ماحصل میری ذاتی ملکیت نہیں ملت کی مشترکہ ملکیت ہے۔ اگر ان انفرادی کوششوں کو جو ملک میں مختلف مقامات پر ہو رہی ہوں یکجا کر دیا جائے تو اس کے نتائج کہیں بہتر ہوں گے۔ اس لئے ملک میں جہاں جہاں ایسے حضرات موجود ہوں۔ وہ اگر مجھے اطلاع فرما دیں۔ تو اس "نئی برادری" میں باہمی ربط و ضبط پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ بہتر ہو کہ وہ مدیر "طلوع اسلام" ہی کو خط لکھ دیں۔ میں جہاں ہوں گا وہ ان خطوط کو مجھ تک پہنچا دیں گے۔ باہمی مشاورت سے مشکل مقامات کا حل مل جایا کرتا ہے

واضح رہے کہ ان سطور کی اشاعت سے مقصد کتاب کا "پروپیگنڈا" نہیں جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں میں اپنی محنت کے اس ماحصل کو اپنی ملکیت ہی نہیں سمجھتا۔ اس کے لئے مجھے پروپیگنڈے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے اسے اپنی زندگی کا مقصد قرار دے رکھا ہے۔ اگر میری کوششیں ملت اسلامیہ میں قرآن کریم کے مطالعہ کا شوق پیدا کرنے اور اسے سمجھنے کے راستہ میں جو دقتیں پیش آ رہی ہیں۔ انھیں دور یا کم کرنے میں کچھ بھی کامیاب ہو گئیں تو میں سمجھوں گا کہ میری کاوشوں کا مجھے کافی صلہ مل گیا۔ کہ اصلی صلہ تو اس شہنشاہِ حقیقی کے دربار سے ہی مل سکتا ہے جو نیتوں کا جاننے والا اور ارادوں سے واقف ہے۔ جو مساعی اس کے ہاں مشکور ہوں وہی نتیجہ خیز ہیں۔ اور جو وہاں نامقبول ہوں۔ وہ خواہ بظاہر کتنی ہی درخشندہ و تابناک کیوں نہ ہوں۔ دنیا و آخرت میں موجب خسران ہیں۔

ایک چیز میں البتہ آپ کی معاونت بھی درکار ہے۔ کتابت تو بہر حال ہوتی ہے۔ لیکن اس کے بعد طباعت سے پیشتر میرے لئے یہ متعین کرنا نہایت ضروری ہوگا کہ اس کے کتنے نسخے چھپوانے چاہئیں کتاب ضخیم ہوگی۔ اس لئے مجھ میں اتنی استطاعت[1] نہیں کہ اسے علی الحساب چھپوا کر رکھ لوں۔ نہ میں کسی شخص سے کچھ پیشگی لینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اگر مجھے اتنا اندازہ ہو جائے کہ میرے مخاطب حلقہ

عـــہ[1] طلوع اسلام میں بھی اسکی استطاعت نہیں ورنہ جناب پرویز صاحب کو اسکی کاوش کی ضرورت ہی نہ ہوتی وہ اس کے علاوہ ہی جو کچھ کر رہے ہیں کیا کم ہے لیکن ہم سوائے اس کے کہ ایک سرد آہ کھینچ کر خاموش بیٹھ جائیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ (طلوع اسلام)

میں اس کا کتنا نکاس ہو جائے گا ۔ تو میں اس کے مطابق ہی نسخے چھپواؤں ۔ جناب ناظم طلوع اسلام نے بکمال عنایت وعدہ فرمایا ہے کہ اگر آپ انھیں اس امر کی اطلاع دیں دینگے تو اس کی ایک فہرست مرتب کرتے جائیں گے اس سے مجھے طباعت کا اندازہ ہو جائیگا ۔ پہلی جلد کی قیمت کیا ہو گی ۔ اس کے متعلق بھی ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔

نقد و نظر

اسلام کا اقتصادی نظام - یہ کتاب مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے لکھی ہے اور ندوۃ المصنّفین دہلی نے اس کو شائع کیا ہے - چھوٹی تقطیع کے ۲۷۴ صفحات کی ضخامت - قیمت عہ

مجھ سے فرمائش کی گئی کہ اس کے متعلق اپنی رائے لکھوں اس وجہ سے اس حکم کی تعمیل کے لئے میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا - جہاں تک میرا علم ہے اس مسئلہ پر یہ کتاب اردو میں پہلی کوشش ہے اور مولوی صاحب موصوف نے موجودہ عہد کے اقتصادی نظاموں کے مقابلہ میں محنت اور غور و فکر کے ساتھ اسلام کے اقتصادی نظام کی .... برتری اور فوقیت دکھلائی ہے - اور غالباً ان کا منشا بھی یہی تھا -

میرا مسلک اہل علم کو معلوم ہے کہ میں اسلام کی اصولی تعلیم اسی کو سمجھتا ہوں جو ہم کو بذریعہ کتاب الٰہی کے ملی ہے اور جو ہر ماحول سے بالاتر اور زمان و مکان کی قید سے بری ہے - مختلف زمانوں میں جن شکلوں سے اس کی تعمیل ہوتی رہی ہے وہ تاریخی حیثیت رکھتی ہیں نہ کہ اصولی -

اس زاویہ نگاہ سے اسلام کے اقتصادی نظام کے دو نمایاں پہلو سامنے آجاتے ہیں - ایک اسلامی اقتصادی نظام، جس کی بنا قرآن کریم کی تعلیم پر ہے - اور یہ ایک ہی ہے اور حق ہے یعنے ہر زمان و مکان میں اٹل ہے - دوسرا مسلمانوں کا اقتصادی نظام جو اس کے اوپر عمل کرنے کی تاریخ ہے - اور یہ مختلف ماحول میں بدلتا رہا ہے - لہذا میرے نزدیک قرآنی تعلیمات اور ان کی تعمیل کی تاریخی کیفیات کو ایک ساتھ ملا دینا - جیسا کہ مصنف نے کیا ہے - خلط مبحث ہے - علاوہ بریں مجھے تعجب ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں مصنف نے سب سے پہلے جس چیز کو اہم قرار دیکر پیش کیا وہ "اعداد و شمار" ہیں - حالانکہ ان کے متعلق جو بیانات اسلامی تاریخوں سے نقل کئے گئے ہیں ان میں تصریح ہے کہ فارس اور روم کے دواوین کے واقف کاروں کے مشورے سے حضرت عمرؓ نے دیوان قائم کیا تھا جس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ

یہ چیز عقلی اور نمازی بھی ہے نہ کہ اسلامی اور دینی - پھر انہوں نے اقتصادیات میں اخلاقی اور قانونی تعلیمات کے حدود میں بھی کوئی امتیازی خط نہیں کھینچا جس کی وجہ سے ان کی بحثوں کے صحیح نتائج نہیں نکل سکے -

مثلاً ملکیت کے مسئلہ کو لیجئے جو اقتصادیات میں سب سے اہم مسئلہ ہے - یعنی کیا کیا چیزیں ہیں جن کی ملکیت کا حق اللہ ورسول (حکومت) کو ہے اور کن کن چیزوں پر شخصی ملکیت قائم ہو سکتی ہے - مصنف نے اس کی حقیقت قرآن سے معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہ کی یا ضرورت نہ سمجھی اور مسلمانوں کے عمل سے پانی جنگل اور کان پر حکومت کی ملکیت تسلیم کی اور زمین پر انفرادی ملکیت کے جواز کے قائل ہو گئے - حالانکہ ٹھیک انہیں وجوہات سے جن سے ان تینوں چیزوں پر حکومت کی ملکیت تسلیم کی گئی ہے - زمین پر بھی اسی کا حق ملکیت ثابت ہوتا ہے - کیونکہ یہ سب کی سب عام مخلوق کے فائدہ کے لئے اللہ کی بنائی ہوئی ہیں بلکہ زمین کے متعلق تو قرآن نے صاف صاف اعلان بھی کر دیا ہے کہ والارض وضعہا للانام اور زمین کو اللہ نے مخلوق کے نفع کے لئے بنایا ہے -

لہذا جس صورت میں زمین سے زیادہ سے زیادہ مخلوق کو نفع پہنچتا ہو وہی صورت اختیار کیجائیگی اس پر زمینداروں کی شخصی ملکیت اس کے نفع کو محدود کر دیتی ہے جو وضع لہ کے خلاف ہے اور ظلم ہے بے شک اگر پانی کے چشمہ سے کوئی شخص مشک میں پانی، یا جنگل سے لکڑی کا گٹھا - یا کان سے ایک بوری نمک اٹھا کر لائے تو وہ اس کی شخصی ملکیت قرار دیا جائے گا - اسی طرح اگر کوئی اپنی محنت سے زمین کو قابل کاشت یا اپنے کسی عمل سے کارآمد بنائے تو اس پر اس کی ملکیت تسلیم کی جائے گی الغرض شخصی ملکیت کی علت خود اس شخص کا اکتساب اور عمل ہے اور یہی قرآن تعلیم دیتا ہے -

للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن - مردوں کا حصہ ان کی کمائی سے ہے اور عورتوں کا حصہ ان کی کمائی سے ہے یعنی حکومت کا حق نکال کر مردوں کی کمائی ان کی ہے اور عورتوں کی کمائی ... معاملہ میں صرف اکتساب کو دخل ہے - مرد اور عورت کا امتیاز نہیں ہے -

... ملکیت کی علت کے علاوہ اس کی حد بھی معلوم ہو جاتی ہے - یعنی جس رقبہ میں ... ہے اسی پر اس کی ملکیت قائم ہو گی - یہاں اس بحث کا موقع نہیں کہ للانام

میں لام ملکیت کا ہے یا استفاع کا۔ بہرصورت ہر شخص اپنی آباد کردہ زمین پر حق ملکیت یا حق انتفاع رکھ سکتا ہے اس میں سے کوئی حصہ کسی مجبوری سے اگر وہ کاشت نہ کر سکے تو حضرت رافع بن خدیج کی روایت کے مطابق فرمان نبوی یہ ہے کہ اس کو اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو بلا لگان کاشت کرنے کے لئے دیدے۔ اور یہ حدیث بخاری کی ہے۔

میرے نزدیک یہی روایت یعنی "نہی عن کراء الارض" اس باب میں قرآن کے مطابق ہے اور اس کی حیثیت اخلاقی نہیں ہے بلکہ قانونی ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں اسی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ

فان ابی فلیمسک ارضہ :۔ اگر وہ اس زمین کو لینے سے انکار کرے تو مالک اسکو اپنے ہی پاس رکھے۔

اس کا یہ مفہوم سمجھنا کہ اگر کوئی اس زمین کو نہ لے تو اس زمین کا مالک اس کو اپنے ہی پاس رکھے صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے مالک کے پاس ہے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان بھائی بلا کرایہ زمین لینے سے انکار کرے اور احسان نہ اٹھانا چاہیئے اور کرایہ طے کر لینا چاہتا ہو تو مالک اپنے ہی پاس رکھے اور کرایہ دیگر نہ اٹھائے۔ اس لئے اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے لگان کو ابد تک ذریعہ معاش بننے سے روک دیا ہے[۱]۔ اسی وجہ سے اس متقی بن متقی یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب یہ بات امیر معاویہ کے زمانہ میں جبکہ سرمایہ داری مسلمانوں پر مسلط ہو چکی تھی سنی تو زمین کی لگان لینی چھوڑ دی۔

باقی دیگر روایات جن میں سے بعض اس کتاب میں درج کی گئی ہیں اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ زمین کی ممنوعہ لگان صرف بٹائی ہے چاندی سونے کے سکے نہیں ہیں محض قانونی حیلے ہیں جو اس وقت نکالے گئے ہیں جب مسلمان زمینداری کی لذت سے آشنا ہو چکا تھا اور اس کو چھوڑنا نہیں

---

[۱] یہ قرآن سے نبوی استنباط ہے یا ہو سکتا تھا کہ ایک شخص یہی پیشہ اختیار کرے کہ زمینوں کو قابل کاشت بنا بنا کر لگان پر اٹھائے اور دوسروں کی کمائی کھائے۔

چاہتا تھا - کیونکہ لگان خواہ جنس ہو خواہ نقد ہو بہرصورت وہ زمین کا کرایہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ہے -

ائمہ فقہا میں سے امام ابو یوسف کی رائے بھی مصنف نے نقل کی ہے کہ وہ لگان کی جملہ صورتوں کو مضاربت پر قیاس کرکے صحیح اور جائز سمجھتے تھے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان سب کو مکروہ خیال کرتے تھے -

میرے نزدیک یہ ماحول کا فرق تھا - امام ابو یوسف عباسی شہنشاہیت کے عروج میں ہارون الرشید کے قاضی القضاۃ تھے اسوقت دماغ میں بھی اس خیال کا آنا مشکل تھا کہ زمین کی لگان ناجائز ہے ورنہ ان کے استاد کی رائے قرآن کے عین مطابق ہے اور اس میں مکروہ کا لفظ جو استعمال کیا گیا ہے اس سے یقیناً مکروہ تحریمی مراد ہے -

حقیقت یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تخت خلافت پر آنے کے بعد سابقہ کیفیت بہت کچھ بدل گئی تھی - ہرچند کہ ان کی قابلیت میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی طرح نہ تھے، بلکہ ان کا عہدِ خلافت اور سلطنت کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں ایک طرف اگر اعلائے کلمۃ الحق اور ملت کا تحفظ تھا تو دوسری طرف استبداد اور بیت المال پر تغلب بھی تھا - اور یہ چیز اہل نظر نے ان کی ذات میں اسی وقت دیکھ لی تھی جب خلیفہ ثالث کے زمانہ میں پورا ملک شام ان کی حکومت میں دے دیا گیا تھا - چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ میں اس سرمایہ دارانہ طرز کے خلاف جو نہ صرف امیر موصوف بلکہ اکثر امراء میں سرایت کر رہا تھا مہم شروع کی لیکن ایک خاص درجہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکے یعنی انہوں نے جمہور میں مساوات حقوق کا جو قرآنی خیال پھیلایا اس میں اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ کی تفریق نہیں رکھی اور بلا امتیاز ہر ایک پر سے شخصی ملکیت کا انکار کردیا - حالانکہ قرآن نے منقولہ اشیاء پر حق ملکیت کی تصریح کردی ہے - اَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ.

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے مویشی پیدا کئے جن کے وہ مالک ہیں۔

پھر جب اللہ کے بنائے ہوئے مویشیوں پر حق ملکیت دے دیا گیا تو انسان کی اپنی بنائی ہوئی چیزوں اور اپنی محنت اور کمائی سے حاصل کی ہوئی اشیاء پر کیوں نہ حق ملکیت قائم ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حادثات رونما ہوئے جن کی وجہ سے خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ نے ان کے اشتراکی خیال کو امن عامہ کے لئے مضر سمجھ کر ان کو دور دشت صحارے میں مقام ربذہ میں بھیجدیا۔ جہاں وہ ۳۲ھ میں انتقال فرما گئے۔ اگر انہوں نے صرف اس جاگیردارانہ نظام کی مخالفت کی ہوتی جس کا اس وقت ملک شام میں آغاز ہو رہا تھا تو شاید کامیاب ہو جاتے۔

تاریخ سے قطعی طور پر ثابت کیا جاسکتا ہے کہ دنیا میں سرمایہ داری کی ابتداء زمینداری سے ہوئی ہے اور اسلام اس کے خلاف صدائے احتجاج ہے۔ میں اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اسلام نے زمینداری فلاں فلاں اصلاحات کے بعد جائز رکھی ہے۔ کیونکہ اس کو جائز کر دینے کے بعد ان مفاسد کا سد باب ممکن ہی نہیں رہ جاتا جو سرمایہ داری کے لوازم ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بلا کسی قرآنی دلیل کے محض اشخاص کے اقوال سے اسلام پر زمینداری کو جائز رکھنے کی تہمت اتنی بڑی ہے کہ دنیا کے تمام نظاموں سے اس کو برتر ثابت کر دینے سے بھی اس کا کفارہ نہیں ہو سکتا۔

سویت روس کے کمیونزم کے مقابلہ میں بعض ترکوں نے اسلام میں زمینداری کے جواز میں دو دلیلیں پیش کی تھیں۔ ایک تو یہ کہ یہ چیز مسلمانوں میں ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ دوسری یہ کہ اسلام میں قانون وراثت ہے مگر یہ دونوں غلط ہیں پہلی اس لئے کہ مسلمانوں میں بادشاہت بھی اس وقت سے چلی آئی ہے جب سے زمینداری آئی ہے پھر اس کو کیوں ناجائز کہتے ہو۔ اور دوسری اس لئے کہ وراثت کے قانون سے یہ کب لازم آتا ہے کہ مورث زمینداری چھوڑ کر مرے۔ دوسری چیزیں بھی متروکہ ہو سکتی ہیں جن میں وراثت کا اجراء ہوگا۔ جن آیات میں وراثت ارض کا ذکر ہے ان سے مراد حکومت ہے نہ کہ زمینداری۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن انسانی عقل کی تربیت اور اس کی بصیرت کی رہنمائی کے لئے آیا ہے۔ وہ اس کے سامنے اسی قدر وحی کی روشنی رکھتا ہے جس سے اس کو اپنا صحیح راستہ نظر آنے لگے۔ اور مشتبہ امور پر غور و فکر کرنے کے لئے اس کو پوری آزادی دیتا ہے ہر ہر قدم پر حد بندی نہیں کرتا۔

اصولی تعلیم جو قرآن کریم نے اسلامی معاشی نظام کے متعلق دی ہے اور جو ہر زمان و مکان کے لئے ہے

وہ حسب ذیل ہے ۔

(۱) ہر انسان خواہ مرد ہو یا عورت اپنی کمائی کا مالک ہے ۔

(۲) اللہ کی بنائی ہوئی رفاہ عام کی چیزوں پر شخصی ملکیت نہیں ہو سکتی ۔

(۳) ربا خواہ کسی شکل اور کسی نام سے ہو حرام مطلق ہے ۔

(۴) میسر یعنی جوا، لاٹری ۔ سٹہ بازی وغیرہ سب ممنوع ہے ۔

(۵) ناجائز طریقوں مثلاً غبن ۔ رشوت یا قانونی حیلوں سے کسی کا مال مارنا جائز نہیں ہے ۔

(۶) اکل بالباطل یعنی فریب یا حکمہ دیکر یا دین کو کمائی کا ذریعہ بنا کر لوگوں کا مال کھانا ناروا ہے ۔

(۷) مستطیع مسلمانوں پر سائلوں اور محروموں کے لئے صدقہ خیرات لازم ہے ۔

(۸) صاحبانِ نصاب پر ان سب کے علاوہ زکوٰۃ بھی فرض ہے اور سونے اور چاندی کا خزانہ جمع کرنا ممنوع ہے

ان حدود کا اور بعض دیگر اسی قسم کی چیزوں کا جو قرآن سے نکالی جا سکتی ہیں لحاظ رکھتے ہوئے جس زمانہ، جس ماحول میں جو معاشی نظریہ مسلمانوں کو اپنے لئے مفید اور مناسب معلوم ہو اختیار کر سکتے ہیں یعنی یہ قرآنی تعلیمات ہر زمان و مکان کے لئے اٹل ہیں ۔ ان میں کوئی تبدیلی انسان کے اختیار میں نہیں ہے ۔ بقیہ تمام امور علمی اور عقلی ہیں جو مخصوص زمان و مکان سے متعلق ہوں گے اور جن کے لئے مسلمانوں کو کامل آزادی ہے ۔

(اسلم جیراجپوری)

اس تبصرہ میں ضمناً ایسے مباحث آگئے ہیں جن میں سے ہر عنوان بجائے خویش ایک مستقل موضوع ہے اور تفصیل کا محتاج ۔ تبصرہ میں ان کے متعلق صرف اجمالی اشارات ہی آ سکتے تھے ۔ ارباب نظر کے لئے ان اشارات میں ہی غور و فکر کا کافی سامان موجود ہے ۔ تفصیلات وقتاً فوقتاً طلوع اسلام کے صفحات پر آتی رہیں گی ۔ انشاء اللہ سردست اگر ان میں سے دو ایک گوشوں کے متعلق مزید معلومات درکار ہوں تو طلوع اسلام کے شائع کردہ پمفلٹس اشتراکیت اور اسلام ۔ اور "خدا کی بادشاہت" ملاحظہ فرمائیں ۔

(طلوعِ اسلام)

۲۔ جوہر۔ عبدالحق نمبر رسالہ جوہر۔ انجمن اتحاد۔ جامعہ ملیہ دہلی۔ کا آرگن ہے۔ گذشتہ سال اس کا خاص نمبر "جوہر اقبال" شائع ہوا۔ جو حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کے سوانح حیات اور تعلیمات پر مشتمل مضامین کا مجموعہ تھا۔ یہ پرچہ ملک میں خاص طور پر مقبول ہوا۔ اسی کے تتبع میں اب مولوی عبدالحق صاحب۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو۔ کی سترویں سالگرہ کی یادگار میں خاص نمبر نکالا گیا ہے۔ اس میں مولوی صاحب کی زندگی کے حالات اور اردو کی خدمات کا تذکرہ ہے۔ ان کے علاوہ زبان اور شاعری کے متعلق دو چار اور مضمون بھی شامل ہیں۔ شروع میں کچھ پیغامات بھی درج ہیں۔ ترتیب میں سلیقہ ہے اور مضامین میں سنجیدگی۔ سید عطا حسین صاحب حیدرآبادی نے اپنے مضمون میں مولوی صاحب کے مذہب کے متعلق البتہ ایک عجیب چیز لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

> "مولوی عبدالحق کے عقیدہ اور مذہب کے متعلق لوگ عجیب عجیب باتیں کہتے ہیں اور یہ بزرگ بھی بعض وقت لوگوں کو وحشت دلانے کی نیت سے ان سے عجیب عجیب باتیں کیا کرتے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ کوئی انہیں ملحد کہتا ہے کوئی زندیق سمجھتا ہے۔ کوئی دہری خیال کرتا ہے۔ ایک (دفعہ) مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ ان کا مذہب "لا ادریت" ہے۔ اور ولایت کے ایک تعلیم یافتہ جنٹلمین نے (جن کو خود مذہب سے کوئی سروکار نہیں) فرمایا کہ عبدالحق اگناسٹک ہیں۔"

اس کے بعد سید عطا حسین صاحب نے اس امر کی شہادت دی ہے کہ مولوی صاحب خدا اور رسول اور اولیائے خدا سے محبت رکھنے والے روشن خیال مسلمان اور مسلمان گر ہیں۔ یہ امر موجب طمانیت ہے۔ لیکن ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کے متعلق انسان تفریحاً یا کسی کو وحشت دلانے کے لئے جو جی میں آئے کہتا پھرے۔ لیکن مذہب (کم از کم مسلمانوں کے نزدیک ایک ایسا اہم گوشۂ زندگی ہے کہ اس کے متعلق "بازیش با یاہم بازی کبھی زیب نہیں دیتا۔ باقی رہا "لا ادریت" کا مسلک۔ سو لاادریت تو فلسفہ کی ایک شاخ ہے۔ نہ کہ مذہب۔ مذہب کی بنیاد ایمانیات پر ہے۔

یہ پرچہ دو صد سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ طباعت۔ کتابت۔ کاغذ۔ جلد۔ سرورق گرد پوش

مکتبہ جامعہ کی خصوصیات کا آئینہ دار۔ قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنہ۔

باقیاتِ بجنوری

جوان مرگ۔ عبدالرحمٰن بجنوری۔ مقدمہ دیوانِ غالب لکھنے سے دنیائے علم ادب میں متعارف ہوئے اور اس میں شبہ نہیں کہ غالب پر نفسیاتی حیثیت سے یہ پہلی تنقید تھی۔ یہ مقدمہ مرحوم کے قلبی جذبات کا آئینہ دار اور ادبی استعداد کا مرقع تھا۔ علمی اور ادبی دنیا کو مرحوم سے بہت سی توقعات وابستہ تھیں لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ اس وقت تک ان کی یادگار یہی مقدمہ (محاسنِ کلامِ غالب) ہی تھا۔ جامعہ ملیہ دہلی کی یہ کوشش قابلِ تحسین ہے کہ انہوں نے مرحوم کے چند ایک مضامین خطوط۔ اور کچھ نظموں کا مجموعہ شائع کرکے ان باقیات کو محفوظ کر دیا ہے۔ جن میں بہت سی کام کی باتیں آگئی ہیں۔ اور یوں بھی مرنے والے کی نشانی ہے۔ گہری تنقیدی نگاہ اور جوش یہ مرحوم کی خصوصیات تھیں جو ان مضامین کی ایک ایک سطر سے ابلتی نظر آرہی ہیں۔ وہ کچھ فطرۃً متشائم (Pessi Mistic) معلوم ہوتے ہیں اسی لئے ٹیگور کی گیتانجلی کے اس قدر مداح ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جو شخص زندگی کے حقائق سے دوچار ہونے میں رازِ حیات مضمر دیکھتا ہو وہ ٹیگور کے خواب آور فریبِ رنگ دبو میں کس طرح کھویا جاسکتا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ مرحوم کے دل میں درد ہے اور اس درد کی ٹیس جگہ جگہ محسوس ہو رہی ہے۔ کتاب نفیس ٹائپ ۲۴۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور اس کے ناشر بھی اربابِ مکتبۂ جامعہ ہیں اس لئے (Get up) کی خوبی کے متعلق کچھ لکھنا بیکار۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ (عجم)

خنداں

یہ کتاب بھی مکتبہ جامعہ نے شائع کی ہے۔ ضخامت ۲۰۳ صفحات۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ (عجم) پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی (علی گڑھ) کی ان تقاریر کا مجموعہ جو انہوں نے وقتاً فوقتاً آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن دہلی سے براڈکاسٹ کیں۔ صدیقی صاحب مزاحیہ نگار ہیں۔ اور مزاح ایسی چیز ہے جس میں آمد ہی کامیاب ہوسکتی ہے۔ آورد نہیں اس لئے ان تقاریر میں وہی ٹکڑے لطیف ہیں جہاں آمد ہے۔ پھر ان تقاریر کو ریڈیو کی پابندیوں نے بھی پابجولاں کر رکھا ہے۔ ان پابندیوں کے متعلق ناشرین نے

حسب ذیل تصریح فرمائی ہے۔

"آل انڈیا ریڈیو ایک سرکاری ادارہ ہے۔ ظاہر ہے اس کا پہلا اور ضروری مقصد سرکاری اغراض و مقاصد کی اشاعت و تبلیغ ہوگا۔ اس کے بعد ایسے مقاصد کی اشاعت و تبلیغ جو بحیثیت مجموعی "غیر شخصی ہوں" یہ بھی لازمی ہے کہ جو تقریریں نشر کی جائیں ان سے کسی فرد یا فرقہ کے احساسات یا معتقدات کی نہ تبلیغ ہوتی ہو نہ تکذیب اور نہ توہین"

اب ظاہر ہے کہ جن تقاریر سے صاحب تقریر نہ اپنے احساسات یا معتقدات کی تبلیغ کر سکتا ہو نہ غلط احساسات معتقدات کی تکذیب۔ ان کی افادی حیثیت کیا باقی رہ سکتی ہے۔ وہ محض تفنن طبع کا ہی سامان ہو سکتی ہیں۔ اور غالباً یہی ان سے مقصود تھا۔ بہر حال جو لوگ صدیقی صاحب کی تحریر کے مشتاق ہیں وہ اس مجموعہ کو ضرور پسند کریں گے۔

تب دق کی طرح "پائریا" کے تین درجے ہیں

اول۔ دانتوں کی عام تکالیف اور مسوڑھوں سے کبھی کبھی خون کا آنا **دوم** مسوڑھوں میں پیپ کا پڑ جانا **سوم** پیپ اور خون کی زہریلی نجاستوں سے معدہ کا ماؤف ہو کر جسم میں صدہا خطرناک امراض کا نمودار ہونا

اور درد بھری حسرتناک موت

"پائریا" کا علاج آسان نہیں اور بلا سمجھے کسی دوا کا استعمال اور بھی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے لیکن آپ ابھی تک محفوظ ہیں یا خدانخواستہ کسی درجے میں ہیں۔ دانت اور مسوڑھوں کی کوئی تکلیف ہو ہم دنیا بھر میں واحد قطعی حکمی اور مکمل سائنٹفک علاج کے لئے آپ کو وہ آسان طریقہ بتلائیں گے۔ جس کو آپ کا دل تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہوگا۔ مہربانی فرما کر بذریعہ کارڈ اپنے پتہ سے اطلاع دیں۔

حائی جیا انڈسٹریز (انڈیا) انبالہ چھاؤنی

حقائق وعبر

طلسم ہوشربا

مجلہ معارف (دار المصنفین) میں "علمائے نگرام" کے عنوان سے ایک مضمون بالاقساط شائع ہو رہا ہے۔ اس میں مولانا قاری حافظ محمدؒ ادریس صاحبؒ کے سوانح حیات کے سلسلہ میں حسب ذیل واقعہ بیان ہوا ہے۔

ایک روز مولاناؒ حسب معمول عصر کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے معتقدین کا حلقہ تھا۔ پند ونصائح کا سلسلہ جاری تھا کہ مسافر صورت ایک اجنبی مسجد میں داخل ہوا سر پر عمامہ تھا۔ بدن پر کرتا۔ اور شرعی پاجامہ پیروں پر گرد چڑھی ہوئی تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ آنے والا پاپیادہ چل کر دور دراز کی مسافت طے کرکے آرہا ہے۔ آنے والے نے سلام کیا۔ اور مصافحہ کرکے دو زانو حضرت مولاناؒ کے مواجہہ میں بیٹھ گیا اور پھر بمنت عرض کیا۔ کہ حضور مجھے بیعت کرلیں۔ پانچ روپے جیب سے نکال کر مولانا کے سامنے رکھے کہ اس کی شیرینی منگوا کر بچوں میں تقسیم کر دی جائے۔ میرے (یعنی صاحب مضمون کے والد محترم مولانا محفوظ الرحمان صاحب کے) ایک عزیز شیرینی خریدنے کے لئے چلے گئے۔ اجنبی کو حضرت نے بیعت کیا۔ اب آفتاب غروب ہونے میں چند منٹ باقی تھے۔ مسافر نے حضرت سے رخصتی کی اجازت چاہی۔ مولانا نے خندہ پیشانی سے رخصت کیا۔ وہ ابھی مسجد کے دروازے تک بھی نہ پہونچے تھے کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت ان کا رخصت کر دینا آپ کے اخلاق کے بالکل منافی ہے مولانا نے تبسم فرما کر جواب دیا۔ ہاں بیٹا مجھے خیال نہیں رہا۔ ذرا بڑھ کر واپس بلا لو۔ اب وہ مسجد کے زینوں سے نیچے اتر چکے تھے۔ میں جب تک وہاں پہونچوں وہ نظر سے غائب ہو چکے تھے۔ میں نے بہت تلاش کیا۔ ملازموں کو ادھر ادھر دوڑایا۔ لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ میری حیرت واستعجاب کی حد نہ تھی۔ میں نے واپس آکر واقعہ عرض

کیا اور اس معمہ کو حل کرنے کے لئے بہت مصر ہوا تو مولانا نے فرمایا یہ جن بچے بیعت ہونے کے لئے آئے تھے۔" (معارف بابت ستمبر ۱۹۴۰ء۔ صفحات ضفحہ ۱۹۹-۲۰۱)

بچپن میں بڑی بوڑھیوں سے ہم بھی ایک قصہ سنا کرتے تھے۔ محلہ میں حافظ جی کی مسجد تھی مشہور تھا کہ حافظ جی کے پاس ایک جن لڑکا بھی حصولِ تعلیم کے لئے آیا ہوا ہے لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کونسا بچہ ہے۔ ایک شام مکتب کے بچے صحن میں کھیل رہے تھے۔ ایک لڑکا دوسرے لڑکے کے پیچھے بھاگا کہ اسے پکڑے۔ آگے دوڑنے والے لڑکے کو جب کہیں جائے فرار نہ ملی تو وہ مسجد کے لوٹے (بدھنی) میں جا گھسا۔ یہ دیکھ کر دوسرے بچے مارے دہشت کے سراسیمہ گھروں کو بھاگ گئے۔ صبح اس بات کا چرچا عام ہو گیا اور حافظ جی نے اس جن لڑکے کو مکتب سے رخصت کر دیا۔ ہم اس واقعہ کو بڑی بوڑھیوں کا افسانہ سمجھا کرتے تھے لیکن اب تو اس کی سند ایک بہت بڑی "علمی درگاہ" سے مل رہی ہے۔ اب کسے مجالِ انکار ہو سکتی ہے؟

ہم یہ لکھ رہے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے خلاف کیا الزام دہرایا جائے گا۔ کہا جائے گا کہ لیجئے صاحب! اب یہ جنّات کے وجود کے بھی قائل نہیں رہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں جنات کی ہستی کا ذکر موجود ہے ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کے حرف حرف پر ہمارا ایمان ہے اس لئے جنّات کا ذکر قرآن کریم میں ہے اس سے ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ لیکن ذرا اس پر تو غور فرمائیے کہ قرآن کریم میں کہیں اس کا بھی ذکر آیا ہے کہ آتشیں مخلوق (جنات) اپنے آپ کو انسان کی شکل میں بھی تبدیل کر لیا کرتی ہے؟ قرآن کریم اس قسم کے توہمات سے بہت بلند ہے۔

زبان اور کلچر کی اہمیت

قوموں کی زندگی میں ان کی زبان اور کلچر۔ ان کے مخصوص نظریاتِ زندگی اور ماضی کی روایات کو کتنا بڑا دخل ہے۔ اس کا تذکرہ طلوعِ اسلام کے صفحات پر متعدد بار آچکا ہے۔ بالخصوص ہمارے شائع کردہ پمفلٹ "زبان کا مسئلہ" میں اس کے متعلق شرح و بسط سے لکھا گیا ہے۔ آج اس کی تائید میں ایک اور تاریخی شہادت ہمارے سامنے آئی ہے۔ جریدۂ اسٹیٹمین نے اپنی ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت کے مقالۂ افتتاحیہ میں اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ جیکو سلاویکیا

نے کس طرح ایک مدتِ دراز تک اپنی ہستی کے قیام و بقا کے لئے بے پناہ عزم و ثبات سے کام لیا۔ اس ضمن میں اخبار مذکور لکھتا ہے۔

"اپنی سلطنت کے ابتدائی دھندلے سے نقوش سے لے کر تیس سالہ جنگ تک اس قوم نے ظلم و استبداد کے طوفانوں میں اپنی ہستی کو برقرار رکھا۔ وہ ایک طرف سلاو اور دوسری طرف **جرمن** قوم کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے ان کے ظلم و ستم کا محیر العقول عزم و ثبات سے مقابلہ کیا۔ اس استبداد میں سیاسی اور مذہبی تشدد کا نمایاں حصہ تھا۔ ان کے آقاؤں کے دل میں یہ آرزو آگ کی طرح بھڑک رہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح ان کی زبان کو مٹا دیا جائے۔ لیکن اس قوم نے ان تمام حملوں کا بڑی جاں سپاری سے مقابلہ کیا۔ یہ اپنے مذہب پر بڑی ہمت سے جمے رہے۔ انہوں نے اپنی زبان کی بڑی سختی سے حفاظت کی۔ انہوں نے اپنی تقویت کا سامان اپنے ادب (لٹریچر) سے اخذ کیا۔ ماضی کی روایات سے اپنے جذبات میں نئی زندگی پیدا کر لی۔ اور یوں اپنی ہستی کو فنا ہونے سے بچا لیا۔ اگر ان کی جگہ کوئی کمزور قوم ہوتی اور ان چیزوں کا تحفظ نہ کر سکتی تو مدت ہوئی ختم ہو چکی ہوتی۔"

(آزاد ترجمہ)

غور فرمایا آپ نے کہ کسی قوم کی زندگی کے لئے مذہب۔ زبان۔ ادب۔ روایات کا تحفظ کس قدر ضروری ہے! اور مسلمانوں کے بارے میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ ان کی جداگانہ ہستی کا مدار ہی **مذہب** اور اس کے متعلقات پر ہے۔ سیاستِ افرنگ نے انہیں اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا تو آج ان کی یہ حالت ہو گئی۔ اب یہی راز ہندو نے پا لیا تو ان کے مذہب۔ زبان۔ ادب۔ کلچر کے مٹانے کی تدابیر شروع کر دیں۔ سوچئے کہ اس مہم میں جو "مسلمان" ہندوؤں کے آلۂ کار بن رہے ہیں وہ قوم کو کن سستے داموں بیچ رہے ہیں قوم کے ساتھ یہ سلوک اور اس کے معاوضہ میں مطالبہ کہ ہمیں رئیس الاحرار سمجھو اور ہماری جے بلاؤ! عجیب ستم ظریفی ہے۔

پریشانی فکر و نظر

ہندو سیاست میں جس قسم کی بدحواسیاں آئے دن رونما ہوتی رہتی ہیں۔ ہم نے انہیں درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اس لئے کہ جس قوم کی سیاست کا مدار ابدی حقائق پر نہ ہو۔ وہاں یہی کچھ ہوا کرتا ہے لیکن بعض اوقات ایسے مضحکہ انگیز واقعات سامنے آجاتے ہیں کہ ان کا تذکرہ ضروری سمجھا جاتا ہے بالخصوص اس لئے کہ شاید اس سے وہ لوگ کچھ عبرت حاصل کرلیں جن کی آنکھیں ان جھوٹے نگوں کی میناکاری سے خیرہ ہو رہی ہیں موجودہ جنگ کے متعلق اپنے مسلک کے سلسلہ میں کانگریس نے جو جو رنگ بدلے ہیں ان پر نگہ بازگشت ڈالئے شروع میں گاندھی جی جنگ کے ہولناک مصائب کے تصور سے کانپ اٹھتے ہیں اور بلاشرط تعاون کا اعلان کر دیتے ہیں۔ بعد میں کانگریس کی طرف سے شرائط پیش ہوتی ہیں اور اس غیر مشروط تعاون کو یوں مشروط کر دیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اعلان ہوتا ہے کہ موجودہ حالات میں ستیہ گرہ بالکل نہیں کیا جائے گا۔ اس مقام پر گاندھی جی نے فرمایا۔

> "اس موقعہ پر قومی آزادی کے لئے حکومت سے جنگ چھیڑ دینا غلطی بھی ہے اور ستیہ گرہ کے اصول کے خلاف بھی۔ یہ آزادی مانگنے کا کونسا وقت ہے؟ انگریز اس وقت ہمیں آزادی کیسے دے سکتا ہے جبکہ اس کی اپنی آزادی خطرہ میں ہے" (انڈی پنڈنٹ انڈیا۔ ۲۲-۹/۴۰)

مسٹر راجہ گوپال اچاریہ نے فرمایا۔

> "حکومت برطانیہ ایک عجیب مخمصہ میں ہے ان حالات کی موجودگی میں ستیہ گرہ کے ذریعے سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ستیہ گرہ ایسا حربہ نہیں ہے جو ان حالات میں استعمال کیا جا سکے بحالاتِ موجودہ ستیہ گرہ کے ذریعے سے آزادی حاصل کرنا ناممکن ہے"۔ (ایضاً)

یہ ستمبر کی باتیں تھیں۔ اکتوبر میں یہ سب کچھ بھلا دیا گیا اور انفرادی ستیہ گرہ شروع کر دیا۔ اس ستیہ گرہ کے لئے گاندھی آشرم کے ایک خاص نمبر آزما رکن منتخب کئے گئے۔ ان کے ذمے یہ فریضہ عائد کیا گیا کہ وہ جنگ میں حکومت کی امداد کرنے کے خلاف تقریریں کریں۔ انہوں نے دو تین تقریریں کیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ان میں کس قدر باہمی تضاد ہے۔ ۱۷ اکتوبر کی تقریر میں مسٹر بھاوے نے کہا۔

"کانگریس جنگ کے مسئلہ میں اخلاقی وجوہات کی بنا پر حکومت کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔ میں حیران ہوں کہ حکومت برطانیہ کس طرح یہ دعوے کر سکتی ہے کہ وہ جمہوریت کے لئے جنگ کر رہی ہے جبکہ وہ ہندوستان کو جمہوری حکومت عطا کرنے پر آمادہ نہیں۔ ہمیں جنگ میں امداد دینے کے خلاف جدوجہد جاری رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ (۱) کانگریس کا یہ مطالبہ کہ ایک قومی حکومت قائم کی جائے۔ مسترد کر دیا گیا ہے (۲) جنگ کے متعلق تقاریر کی آزادی سے انکار کر دیا گیا ہے اور (۳) جنگ میں حصہ لینے کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے ہندوستان کو آزاد نہیں چھوڑا گیا بلکہ یہ فیصلہ زبردستی اس کے سر تھوپا گیا ہے" (ہندوستان ٹائمز ۱۸ جنوری)

یہ ایک سانس میں کہا۔ اب سنیئے کہ دوسرے سانس میں کیا فرماتے ہیں۔

"جنگ کیا ہے؟ بعض عیسائی قومیں دوسری عیسائی قوموں سے مصروف پیکار ہیں۔ اور ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم ان قوموں کے خلاف جنگ کریں جو ہماری دشمن نہیں ہیں۔ حالانکہ عیسائیت کی تعلیم یہ ہے کہ اپنے دشمن سے بھی محبت کرو۔ .... ہمارا مذہب ہمیں اس قسم کے پاپ سے روکتا ہے" (ایضاً)

لیجئے! پہلے ارشاد تھا کہ ہم اس لئے جنگ میں امداد نہیں کرتے کہ ہمارے مطالبات مسترد کر دئے گئے ہیں اب فرماتے ہیں کہ ہم اس لئے شریک نہیں ہو سکتے کہ یہ ہمارے مذہب کی رو سے پاپ ہے اور اگر حکومت ان کے مطالبات منظور کرلے تو پھر یہ پاپ بالکل پن ہو جائے گا۔ اب دوسری تقریر ملاحظہ فرمائیے۔

"جنگ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے لئے کبھی شایانِ شان نہیں۔ موجودہ مشین کی لڑائی جو محارب اور غیر محارب میں تمیز ہی نہیں کرتی۔ ظلم کا انتہائی نقطہ ہے اس سے تو آدمی بالکل درندہ بن جاتا ہے۔ اس سے کسی کو بھی نفع نہیں پہنچ سکتا" (ہندوستان ٹائمز ۱۹ جنوری)

یہی بات یعنی چونکہ حکومت نے ان کے مطالبات مسترد کر دئے ہیں اس لئے جنگ خلافِ مذہب۔ خلافِ آدمیت۔ خلافِ تہذیب ہے۔ اور اگر ان کی شرائط مان لی جائیں تو پھر جنگ میں شرکت عینِ مذہب۔ عینِ آدمیت۔ اور عینِ تہذیب ہے۔ یہ ہے ان کا مذہب اور یہ ہیں ان کے اصول۔ لیکن یہ بھی سچ

ہیں۔ یہ اصول لیں کہاں سے! اصول تو ابدی حقائق سے ہی مل سکتے ہیں اور ان سے ان کا دامن خالی ہے لیکن افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو اپنے پاس قانون خداوندی کا محکم ضابطہ رکھتے ہیں اور اس کے باوجود رشد و ہدایت کے لئے ان تہی دامنوں کی راہ نمائی تلاش کرتے ہیں۔

مولانائے مدنی کی ہادی طریقت "راشٹریتی" مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے متعلق اس سے بیشتر کئی مرتبہ لکھا جا چکا ہے۔ اب ذرا دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث جمعیت العلماء ہند کے صدر، حضرت "مولانا" حسین احمد صاحب مدنی کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیے آپ فرماتے ہیں۔

"انفرادی سول نافرمانی کے مسئلہ میں ہمیں مہاتما گاندھی کے ارشادات پر کامل اعتماد ہونا چاہیے ہمیں ستیہ گرہ کی جنگ جاری رکھنے یا صلح کر لینے کے بارے میں انہی کی تجاویز کو قبول کرنا ہوگا۔"

(ہندوستان ٹائمز مورخہ ۲۵)

رشی کے فاقے مذکورہ صدر بدحواسیوں سے کہیں زیادہ پریشانی گاندھی جی کے فاقہ کے مسئلہ میں سامنے آتی ہے۔ آج تک گاندھی جی یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ میں ایک "اندرونی روشنی" کے ماتحت اس قسم کے قدم اٹھاتا ہوں۔ وہ اپنے فاقوں کو ارتقاءِ روحانیت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور بتایا کرتے ہیں کہ انہیں سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن دیکھنے والے دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ یہ چیز کس طرح ایک سیاسی حربہ کے طور پر استعمال کی جاتی رہی ہے۔ اگرچہ اس قسم کی "زنانہ" سیاست کچھ انہی کو زیب دیتی ہے۔ پچھلے دنوں پھر گاندھی جی کے فاقہ کا تذکرہ اخبارات میں آرہا تھا۔ واردھا میں کانگریس کی مجلس عاملہ کے سامنے بھی یہ سوال پیش ہوا۔ اس کے بعد جو بیان وہاں سے شائع ہوا۔ اسے ملاحظہ فرمائیے۔ لکھا ہے

"کانگریس کے معتبر حلقوں میں ذکر چلا ہے، کہ مستقبل قریب میں مہاتما جی فاقہ کا ارادہ نہیں رکھتے۔ یہ طریق اس وقت اختیار کیا جائے گا جب موجودہ مسائل کو حل کرنے کے اور طریقے ختم ہو جائیں گے۔" (ہندوستان ٹائمز مورخہ ۷)

لیجئے! اس سے زیادہ وضاحت اور کن الفاظ سے ہوگی۔ فاقہ ایک حربہ ہے جسے اس وقت استعمال کیا

جائے گا جب ترکش سیاست کے تمام تیر آزمائے جائیں گے۔ یہ ہے مہاتمائیت اور یہ ہیں اس مہاتمائیت کے روحانی ہتھکنڈے بخود گاندھی جی نے ایک بیان کے دوران میں کہا ۔

انفرادی سول نافرمانی کی تحریک کے پیش نظر فاقہ کرنے کا خیال قدرتی طور پر معرض التوا میں پڑ گیا ہے .... میں اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ایک نیا حربہ ہے اور صرف اس کے ماہرین ہی اسے استعمال کر سکتے ہیں ۔ (ہندوستان ٹائمز ۱۸)

وہ قوم جو اپنے ہاتھوں سے پتھر تراش کر ان کی پرستش کرنے لگ جاتی ہے ۔ وہ اگر اس قسم کے "مہاتماجی" کی پوجا کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن صد حیف ہے خدائے علیم و بصیر کی عبودیت اختیار کرنے کے مدعیوں پر کہ وہ بھی "مہاتماجی" کی روحِ عظیم کے سامنے اپنی گردنیں جھکائے ہوئے ہیں۔ کتنی بڑی ہے وہ ذلت جو خدا کے دروازے سے منہ موڑنے والوں کے گلے میں طوقِ لعنت بن کر ڈالی جاتی ہے ۔

فاعتبروا یا اولی الابصار؟

تیری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

مسٹر اینے اور ان کی ہندو لیگ کا تذکرہ ان صفحات پر آچکا ہے۔ وہ لیگ جس کا مقصدِ وحید تحریک پاکستان کی مخالفت ہے۔ پچھلے دنوں مسٹر اینے کی سالگرہ منائی گئی۔ اس تقریب پر انہوں نے فرمایا ۔

"پاکستانی تحریک کو ایک معمولی چیز خیال کر کے اس سے چشم پوشی کر لینا بہت بڑی غلطی ہے اس تحریک کے اندر مستقبل کے بے شمار خطرات کے امکانات موجود ہیں۔ اس اسکیم کو ناکام بنانے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ تمام جماعتیں **مع ان مسلمانوں کے جو اس کے مخالف ہیں** ۔ یکجا جمع ہو جائیں۔" (ہندوستان ٹائمز مورخہ ۲۹)

اسی تقریر میں دوسری جگہ مسٹر اینے نے کہا ہے کہ وہ اہنسا (عدم تشدد) کے مسئلہ میں گاندھی جی سے اختلاف رکھتے ہیں۔ کیونکہ اہنسا مسٹر اینے کے خیال کے مطابق ۔ ایک قوم کی آزادی کو بچا نہیں سکتا۔

خیال فرمالیا آپ نے کہ ان لوگوں کے کیا ارادے ہیں دما تخفی صدورھم اکبر اور آپ ہیں کہ ایک ریزولیوشن پاس کر کے سمجھے بیٹھے ہیں کہ ملک فتح ہو گیا۔ حکومت مل گئی اب اور کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

انوکھی بھگتی

گجرات (پنجاب) میں سر چھوٹو رام صاحب وزیر پنجاب نے حکیم الامۃ حضرت علامہ اقبال رح کی تصویر کی نقاب کشائی کی رسم ادا کرتے وقت اپنی تقریر میں فرمایا کہ۔

میں سر اقبال کی اسی طرح عزت کرتا ہوں جیسے بھگوان کرشن کی اور انکی کتابوں کو اسی احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ جیسے گیتا کو" (انقلاب ۱۷ مئی) آپ کو معلوم ہے یہ حضرت علامہ رح کے اسقدر گہرے عقیدت مند کون بزرگ ہیں۔ وہی جنہوں نے پاکستانی اسکیم کی مخالفت میں سب سے پہلے آواز بلند کی تھی اور ابتک مخالفت کرتے چلے آرہے ہیں۔ حضرت علامہ سے اسقدر عقیدت اور ان کے نظریہ کی اتنی شدید مخالفت۔ یہ عجیب قسم کی بھگتی ہے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس باب میں کون زیادہ ہمدردی کا مستحق ہے۔ سر چھوٹو رام صاحب جنہیں معلوم نہیں کن مصلحت کوشیوں کے ماتحت یہ الفاظ کہنے پڑے۔ یا گجرات کی تقریب کے ارباب حل و عقد جنہیں تصویر کی نقاب کشائی کے لئے کوئی اور مل ہی نہیں سکا۔

بچاری اُردو

ہمنے گذشتہ اشاعت میں لکھا تھا کہ آئندہ مردم شماری کے وقت تمام مسلمانوں کو اپنی مادری زبان "اُردو" لکھانا چاہیئے۔ اب یو۔ پی کے ایک دوست اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہاں مردم شماری کیلئے جو شیڈول (جدول) تیار ہوا ہے اس میں ایک خانہ "مادری زبان" کا ہے۔ اس خانہ کے اندراج کے لئے شمار کنندوں کو حسب ذیل مطبوعہ ہدایات دی گئی ہیں "یہ درج کیجئے کہ اس شخص کی مادری زبان کیا ہے۔ یعنی اس شخص نے کونسی زبان سے سب سے پہلے بولی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صوبے کے تمام لوگوں کی زبان کو **ہندوستانی** درج کیجئے۔ اُردو۔ یا ہندی نہ درج کیجئے۔ پہاڑی بولی کے لئے ہندوستانی درج کیجئے۔ کیا یو۔ پی کی مسلم لیگ اسطرف توجہ کریگی!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم کا دستورالعمل

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۵ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۚ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۵

ترجمہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔ اگر اسلام یعنی اطاعت توفیق الٰہیہ کے سوا کوئی اور طریق اختیار کرلیا۔ تو مقبول تو ہونے سے رہا۔ انجام کار (آخرت) نقصان بالضرور ہوگا۔ انسان کی پیدائش کی غرض وغایت اس دنیا میں خلافت فی الارض تھی یہ دنیا میں اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا گیا تھا جو کچھ زمین کی پستیوں اور آسمان کی بلندیوں کے اندر موجود ہے وہ انسان ہی کی خدمت گذاری کے لئے ہے۔ ابتدائے آفرینش سے وہ اس کے لئے تسخیر کر دیئے گئے تھے۔ تاکہ انسان ان سے کام لے اور اس دنیا پر اللہ کی حکومت کا تخت اجلال بچھائے۔ اسے چند ایک اصول سکھائے تھے کہ جن پر عمل پیرا ہو کر وہ اس تخت خلافت پر متمکن ہو سکتا ہے۔ اور اللہ کے انعامات اور افضال کا وارث بن سکتا ہے۔ غلبہ اور تمکنت سے رہ سکتا ہے۔ اور بالآخر ہمیشہ کی زندگی بسر کرنے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ وہ اصول جو اس زندگی کے واسطے .... قرآن کریم کے ضابطۂ ابدی میں متعین کئے گئے ہیں۔ نہایت سیدھے اور سادے ہیں یعنی چند اصول بطور ایمان اور اس کے ساتھ اظہار عبودیت کے لئے کچھ اعمال بطور اساس۔

ایمان باللہ۔ مسلم کا ایمان خدا کی ہستی پر اس قدر مستحکم اور مضبوط ہو کہ وہ خدا کے ماسوا کسی بڑی سے بڑی ہستی کو اپنا معبود نہ مانے عیش اور آرام میں دکھ اور تکلیف میں تختِ سلطنت پر سولی کے تختہ پر اللہ کا دھیان اس کے سامنے ہے کسی غیر اللہ کا ڈر باطل کا خوف اس کے پاس تک نہ پھٹکے۔

تا عصائے لا اِلہ داری بدست | ہر طلسم خوف را خواہی شکست
ہر کہ حق باشد چو جان اندر تنش | خم نہ گردد پیش باطل گردنش

ایمان بالکتب ۔ تمام مذاہب کسی نہ کسی مقدس کتاب کو اپنے لئے ہدایت کا باعث سمجھتے ہیں۔ ایک مسلمان قرآن مجید کو خدا کا آخری اور مکمل کلام مانتا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر تمام پہلی آسمانی کتابوں کی سچائیاں موجود ہیں۔ اور یہ ایک ایسا مکمل ضابطہ ( ) ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝

ترجمہ۔ ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہدایت کی ہر چیز کا کھلا کھلا بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت رحمت اور خوشخبری ہے (النحل ،۱)

یہ کتاب صالح العمل مسلمانوں کو جو قوانین الٰہیہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کے انعامات کی بشارت دیتی ہے۔ اور جو لوگ قوانین فطرت کو توڑ کر اپنے من گھڑت عقیدے بنا کر نظام کائنات میں فساد ڈالتے ہیں۔ ان کے لئے اس دنیا میں ذلت و رسوائی کا دردناک عذاب اور آخرت کے وعید بیان کرتی ہے یہ کتاب گذشتہ امتوں کے کارنامے پیش کرتی ہے۔ کہ کس طرح وہ لوگ جنہوں نے قوانین الٰہیہ کو توڑا۔ ضال اور مغضوب علیہ بنے اور جنہوں نے ان کی تابعداری اختیار کی وہ کامیاب اور بامراد ہوئے

ز قرآن پیش خود آئینہ آویز | دگرگوں گشتہ از خویش بگریز
ترازوئے بنہ کردار خود را | قیامت ہائے پیشیں را برانگیز

ایمان بالرسل وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ترجمہ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھے تمام دنیا کے واسطے رحمت کا سرچشمہ بنا کر بھیجا ہے نبی کی بعثت کی غرض و غایت ایک کمزور اور نحیف قوم کو خدا تعالیٰ کی آیات سنا کر ان کا تزکیۂ نفس کرنا انہیں دین فطرت کا علم سکھانا اور انہیں خلافت الٰہیہ کے منصب جلیلہ پر پہنچانا ہوتا ہے جس قوم کے پاس نور ایمان۔ علم اور حکمت ہے۔ وہ قوم دنیا میں سب سے غالب متمکن فی الارض منعم علیہ قوم ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۝ ہمارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہر شعبۂ زندگی میں رہنمائی کرتا ہے۔ اور جب تک وہ نمونہ ہمارے لئے لائحہ عمل نہ بنے۔ ہماری زندگی کامیاب زندگی نہیں بن سکتی یعنی وہ ذاتِ اقدس و اعظم جس کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا زندہ رہنا اور مرنا سب خدا کے واسطے وقف ہو چکا تھا جس ذاتِ گرامی مرتبت نے خلاف ماسوا اللہ کو دلوں سے نکالا۔ مکر ابلیسی کے بخئے ادھیڑے اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اپنوں اور بیگانوں کو دشمن بنا کر اپنی جان مشکلات اور تکالیف میں ڈال کر استقامت دکھائی جو اخلاص و عمل اور خلق کے مجسمہ تھے جنہوں نے خدا کی رحمت کے خزانے بے نوا اور فاقہ کش لوگوں کو دے کر انہیں خیر الامت کے لقب کے اہل بنایا اور دنیا کی جہاں بانی اور جہاں رائی ان کے سپرد کی۔ ان سے بڑھ کر انسان کی رہنمائی کے لئے اور کونسا نمونہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کے ایمان اور اخلاص اور سعی و عمل کا یہ صلہ دیا کہ انہیں دشمنوں پر فتح مبین عطا کی جس قدر انعامات اور افضال حضور کے شایانِ شان تھے تمام عطا کر دئے۔ اور زبردست سے زبردست مدد دے کر حضور کا نام فرش زمین سے لے کر عرش معلیٰ تک روشن کر دیا ہے ؎

ہر کہ عشق مصطفےٰ سامانِ اوست بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

ایمان بالملائکہ۔ ملائکہ چونکہ حاملین وحی ہیں۔ پیغام خداوندی کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے ایک واسطہ ہیں اس لئے ان پر ایمان درحقیقت وحی الٰہی پر ایمان کے مرادف ہے۔

ایمان بالآخرت سے مفہوم یہ ہے کہ انسان ہر وقت اس اصول کو پیش نظر رکھے کہ اس کی ہر حرکت کا خواہ اعضاء کی ہو یا جوارح کی ایک فطری نتیجہ لازمی ہے۔ ایمان و اعمال صالحہ کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض و فلاح و فوز فی الآخرت ہے کفر و ضلالت کا نتیجہ دنیا کی ذلت و مسکنت اور آخرت کی رسوائیاں ہیں یہ وہ قرآن کریم کا اٹل قانون ہے جس میں کسی قوم کسی قبیلہ کسی خاندان کسی نام کی وجہ سے رعایت نہیں برتی جا سکتی۔

ایمان کی مجمل تشریحات کے بعد اب ان اساس اعمال کی طرف آیئے جنھیں عبادات ومناسک کہا جاتا ہے ۔

الصّلوٰۃ ۔ یہ ہماری سلامتی کی دعا ہے ۔ اور ہمارے لئے ایک دارالامن ہے ۔ خدا اور بندے کے درمیان براہِ راست تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے ہمارے اتحاد کا سرچشمہ ہے توحید کا اعلان ہے خدا کی فرمانبرداری کا اقرار ہے پنج وقتہ خدا کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے اقرار کو تازہ کرنا ہے صراط مستقیم پر چلنے کی دعا نعمت کے ملنے کی گذارش ہے مغضوب علیہ اور ضال نہ بننے کا ڈر اور خوف ہے یا د رہے صراط مستقیم بڑا کٹھن اور مشکل راستہ ہے ہر ہر قدم پر پھسلنے کا ڈر ہے کیونکہ طاغوتی قوتیں اس راستہ پر تاک لگائے بیٹھی ہیں ۔ اس راستہ کو طے کرنے کے لئے خشیت الٰہی اور تقویٰ کا زادراہ ضروری ہے جس نے ان کا دامن مضبوطی سے تھام لیا ۔ وہ خدا کے انعامات کے وارث بن گئے انہیں کے لئے رزق کریم ہے ۔ انہیں کے لئے تمکن فی الارض ہے وہی غالب ہیں نماز کی رکوع اور سجود اور قیام گو ظاہراً جسم کی حرکات ہیں مگر اس کے اندر روح کا رقص مضمر ہے کہ جس سے زمین و آسمان وجد میں آجاتے ہیں اسلام کے گلشن کی رونق یہی ہے کہ دل میں سوز ہو ۔ اور آنکھوں سے آنسو برستے رہیں کیونکہ دِل کے سمندر میں جب خدا کی محبت اور اس کے عشق کی بجلیاں چمکتی ہیں تو وہاں سے بخارات اٹھ کر دماغ سے ٹکراتے ہیں اور آنکھوں سے دِل کا خون پانی بن کر برستا ہے رُوح وجد میں آکر آستانہ الٰہی کے سامنے رقص کرتی ہے یہی نماز کا نصبُ العین ہے کہ مسلمان فحشات اور منکرات سے بچ کر خدا کی محبّت میں محو ہو جائے ۔ یہی رُوح کا معراج ہے ؎

نخواہم ایں جہاں و آں جہاں را — مرا ایں بس کہ دانم رمزِ جاں را
سجودے دہ کہ از سوز و سرورش — بوجد آرم زمین و آسمان را

روزہ :۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ فرضیت روزہ سے منشائے الٰہی یہ معلوم ہوتا ہے

کہ مسلمانوں کے دلوں میں خدا کے احکامات پر چلنے کی اس قدر جرأت وہمت اور دلیری پیدا ہو جائے کہ وہ سال میں متواتر ایک ماہ بھوک پیاس برداشت کر سکیں اور خدا کے پورے پورے فرمانبردار بندے بن جائیں کیونکہ ایسی قوم جو متقی اور خدا کی شکرگزار ہے خدا کے احکامات کے ماتحت رہ کر بھوک پیاس برداشت کرے اس کی راہ میں ہر لحظہ لبیک کہنے کے لئے تیار ہے خدا کے سپاہیوں کی یہی نشانی ہے۔ اس کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کو اس سختی کا عادی ہونا ضروری ہے۔ یہی قوم خیر و برکت کی وارث ہے اسی کے حصہ میں رشد ہے۔ ایسی قوم جس وقت بھی خدا کی جناب میں دست بدعا ہو کر اس کی نصرت کی طلبگار ہوتی ہے۔ وہ نامراد نہیں پھر سکتی۔ (اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ) روزہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ جب ہم اللہ کے حکم سے رزق حلال و طیب چھوڑ سکتے ہیں تو جو چیزیں اس نے حرام قرار دی ہیں ہم ان کے قریب کیسے چلے جائیں گے ؎

سر دین صدق مقال اکل حلال — خلوت و جلوت تماشائے جمال
نور در صوم و صلوٰۃ او نماند — جلوہ در کائنات۔ او نماند
آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ — فتنۂ او حب مال و ترس مرگ

حج اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ (آل عمران ۹۵) لوگوں کی عبادت کے لئے جو پہلا گھر ٹھہرایا گیا وہ یہی ہے جو شہر مکہ میں واقع ہے۔ برکت والا اور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے موجب ہدایت۔ اس میں فضیلت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس گھر میں آ داخل ہوا۔ امن میں آ گیا اور لوگوں پر فرض ہے کہ خدا کے لئے خانۂ کعبہ کا حج کریں جس کو اس گھر تک پہنچنے کا مقدور ہے خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ مسلمانانِ عالم میں سے جو صاحب مقدور ہوں وہ حج کے واسطے حاضر ہوں۔ تاکہ بیت اللہ کی تعظیم ہو۔ کیونکہ یہ شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے مسلمانانِ عالم کے جمع ہونے اور ان کی شوکت کے ظاہر ہونے اور ان کے لشکروں کے جمع ہونے اور دین کی عزت کا دن

ہونے کا نام حج ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور امن کی جگہ ٹھہرایا۔

کیا ہی وہ شان و شوکت کا محشر مثال منظر ہے کہ جب لاکھوں کی تعداد میں عاشقانِ خدا اور رسولؐ سفر کی تکلیفیں اُٹھا کر اپنے سر منڈوا کر کفن پہن کر یعنی دو بن سلی چادروں میں اپنا جسم لپیٹ کر میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ اور خوشنودیٔ خدا کے لئے اپنی انتہائی محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ وہ اس کی محبت کے سامنے نہ وطن، نہ زر، نہ مال، نہ گھر، نہ بیوی، نہ بچے، نہ تکلیف، نہ مصیبت کی پروا کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا نصب العین اللہ کی تابعداری کا اقرار ہے کہ جس کا وہ ہر نماز میں اقرار کرتے رہے اور وہ خانہ خدا میں یہی عہد کرتے ہیں کہ خدا کے احکامات کے فرمانبردار بندے ہیں۔

حج کو جانے سے پیشتر زادِ راہ بہم پہنچانا ضروری ہے لیکن بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے یعنی سب سے بڑی پرہیزگاری خوف خدا ہے۔ اللہ کی یاد کی ٹیس جو مومن کے دل کے اندر ہر وقت لگی رہے ؎

رمزِ حیات جوئی جز در تپش نہ یابی ‏ ‏ ‏ در قلزم آرمیدن ننگ است آبِ جُو را

نہ شود نصیبِ جانت کہ دمے قرار گیرد ‏ ‏ ‏ تب و تابِ زندگانی بتو آشکار بادا

ہر وقت اللہ سے گناہوں کی معافی میں لگے رہنا اور اس سے دنیا اور آخرت میں خیر و برکت مانگنا مومن کا نصب العین ہے۔ نہ تو ہماری قربانیوں کے گوشت اور نہ ان کے خون خدا تک پہنچتے ہیں بلکہ اس تک ہمارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اور کامیاب وہی قوم ہے جو بھلائی کے کام کرتی ہے اور اللہ کے دامن کو تنگی اور کشادگی میں گھُل مل کر مضبوطی سے تھامے رکھتی ہے۔ کیونکہ وہی سب سے بڑھ کر مولا ہے اور سب سے اچھا مددگار ہے ؎

بنورِ تو برافروزم نگہ را ‏ ‏ ‏ کہ بینم اندرونِ مہر و ماہ را

چو می گویم مسلمانم بلرزم ‏ ‏ ‏ کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

زکوٰۃ

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝

(اور وہ جو تم خدا کی رضا جوئی کے ارادے سے زکوٰۃ دیتے ہو جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اپنے

دئے کو خدا کے ہاں بڑھاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ سورۂ تغابن میں فرماتا ہے کہ لوگو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک بکھیڑا ہے اور ان بکھیڑوں میں دین میں ثابت قدم رہنے والوں کے لئے بڑا بھاری اجر ہے۔ پس جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا حکم سنو اور مانو اور اس کی راہ میں خرچ کرتے رہو کہ یہ تمہارے ہی حق میں بہتر ہے اور جو شخص اپنے جی کے بخل سے محفوظ رکھا گیا (اور خدا کی راہ میں خوشدلی سے خرچ کرتا رہا) یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ مسلمانو اگر تم اللہ کو خوش دلی سے قرض دو تو آخرت میں وہ تم کو اس کا دُگنا کر دے گا۔ اللہ بڑا قدر دان بردبار ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ زبردست اور حکمت والا ہے۔

سال کے اختتام پر ذی استطاعت لوگوں کا اپنے حلال مال میں سے ایک معین حصہ اجتماعی مقاصد کے حصول کے لئے وقف کر دینا۔ زکوٰۃ ہے۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ اور خیرات کا ذکر بار بار آتا ہے چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت اسلام کی تمکنت تھی اور مسلمانوں کے لئے وراثت زمین کے وعدے تھے اسی لئے قرآن میں زکوٰۃ۔ خیرات اور صدقات دینے کا پیہم ذکر ہے اور چونکہ یہ سلسلہ ملت اسلامیہ کی زندگی کیساتھ ساتھ قائم رہنا ہے اس لئے یہ حکم دائمی ہے۔ اسلام ہر نوع غلامی کے لئے پیغام موت ہے۔ اس کے نزدیک ملوکیت اور سرمایہ داری لعنت ہے۔ وہ دولت مندوں کو مال و دولت کا صرف امین قرار دیتا ہے اور ان کے مال و دولت کو بذریعہ خیرات اور زکوٰۃ ہر آلودگی سے پاک صاف رکھتا ہے۔ خدا کی محبت کا بڑا معیار یہ ہے کہ انسان اپنی سب سے بڑھ کر محبوب چیز کو خدا کی راہ میں نثار کر دے۔ چونکہ انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ اس لئے اُسکے دعوے ایمان کی صداقت کو آزمانے کے لئے حکم دیا کہ زکوٰۃ دو۔ خیرات کرو۔ صدقات دو۔ دل کا بخل نجاست کی مانند ہے۔ اور مال خرچ کئے بغیر وہ بخل کی نجاست سے پاک نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ نعمت مال کا شکریہ ہے۔ اور خدا کی راہ میں دینا ہی نعمت کا شکریہ ہے۔ نعمت کی ناشکری کرنے والے ظالم ہیں۔ جو کچھ خدا نے دے رکھا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں صرف کرتے رہنا خیر و برکت کا باعث

ہے۔ قانونِ قدرت کا دستور ہے کہ ہر پھلدار درخت کی تراش وخراش میں اس سے زیادہ پھل ملنے کی اُمید ہوتی ہے۔ ایک پہلوان کے قویٰ اسی وقت مضبوط ہوتے ہیں جب وہ اپنے قویٰ کی طاقت بذریعہ کثرت خرچ کرتا ہے۔ ایک حکومت اسی وقت مستحکم ہوتی ہے جب وہ اپنے آپ کو غریب اور نادار رعیت کی پاسبان سمجھ کر ان کی بہبودی اور آرام کے لئے مال خرچ کرتی ہے۔ الغرض ایک چیز کے خرچ ہونے سے دوسری چیز کی حیات وابستہ ہے۔ اگر دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس قوم یا ملک نے غریبوں۔ محتاجوں۔ ناداروں۔ یتیموں بیواؤں کی مدد نہیں کی اور ان کے لئے سامانِ معیشت مہیا کرنے کا انتظام نہیں کیا۔ ناداروں کی گریہ وزاری پر کسی نے آنسو نہیں بہائے۔ بلکہ ان کا خون پی پی کر خود فرعون اور قارون بن گئے تو وہ قوم صفحۂ ہستی سے نیست ونابود ہوگئی۔ اسلام وہ مذہب ہے جس کے پیرووں نے یتیموں۔ غریبوں۔ مسکینوں اور بیواؤں کو گلے لگایا۔ حسب ونسب کی لعنت کو مٹا کر اُخوت اور مساوات کا نمونہ دکھایا۔ انھیں اپنے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بٹھالیا۔ غلاموں کو آزاد ہی نہیں کیا بلکہ انھیں زیورِ علم وحکمت سے آراستہ کرکے تختِ سلطنت پر بٹھادیا اور اُخوت و مساوات کا صفحۂ دہر پر سکہ جمادیا ؎

ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو — لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا
با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ — ہرچہ از حاجت فزوں داری بدہ
آں مسلماناں کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارت فقر را افزودہ اند — مثلِ سلمانؓ در مدائن بودہ اند
حکمرانے بود و سامانے نداشت — دست اُو جز تیغ و قرآنے نداشت

اعمال صالح

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ
وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

خدا وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو عظیم الشان ہدایت اور سچا دین (اور راہِ عمل) دے کر بھیجا تاکہ وہ اس کے زور اثر سے باقی سب راہ ہائے عمل پر غالب آجائے۔ اگرچہ دشمنوں کو بُرا ہی لگے۔ اے ایمان والو! کیا تمہیں کوئی ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو (دنیاوی شکست کے) دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ ہے کہ خدا کو فی الحقیقت اپنا حاکم اعلیٰ مانو اور اس کے رسولوں کے لائے ہوئے احکام کی تعمیل کرو۔ اللہ کی حمایت میں اپنی جانیں اور مال لڑا دو۔ تمہاری بہبودی، اور غلبۂ امت کے لئے یہی بہترین دستور العمل ہے۔ اگر تم اس کو سمجھو (یاد رکھو) ایسا کرتے رہوگے تو خدا تمہاری اگلی تقصیروں پر پردہ پوشی کرے گا۔ تم کو خوشگوار باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ آخرت کے دائمی باغوں میں نہایت عمدہ مقام دے گا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور اس انعام کے علاوہ ایک اور نعمت بھی ہے جسے تم پسند کرتے ہو وہ یہ کہ اس دنیا میں خدا کی طرف سے مدد ملے گی اور فتح تمہارے شامل حال رہے گی اور اے پیغمبر یہ بشارتِ تمکن بھی ایمان والوں کو دے دو۔

ایمان باللہ۔ ایمان بالرسل۔ ایمان بالکتب وغیرہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ پر قائم رہنے میں مسلمانوں کی فلاح تھی۔ انھیں ایک امتیازی زندگی عطا کی گئی تھی اور اس کے حصول کی شرط ایمان، تقویٰ اور خشیت اللہ یہ تھی۔ مسلمانوں کا اس دنیا میں واحد منتہا اعلون اور غالب بن کر رہنا تھا۔ قرآن میں رسول کے بھیجنے کی غرض اسے روئے زمین پر ہر پہلو سے غلبہ دینا تھا۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے پیش نظر ایمان اور اعمال صالح کا زندہ اور پایندہ نتیجے اللہ کی زمین پر خدا کی بادشاہت کا قیام تھا۔ قوانین فطرت کے مطابق جماعتِ مؤمنین کا استخلاف تھا اور ان کی جہاں بانی اور جہاں رائی تھی مسلمانوں کی تمام زندگی اللہ کے نام کا بول بالا کرنے میں۔ اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں مسلسل جدوجہد، پیہم سعی و عمل، عزم راسخ، استقامت جہاد اور سپاہیانہ زندگی تھی۔ جس کی غرض و غایت نہ صرف عاقبت سنوارنا تھا بلکہ اپنے اعمال حسنہ کے جیتے جاگتے نتائج اس دنیا میں بھی دیکھتے تھے۔ وہ خوش حالی، نیک بختی

شان وشوکت، وقار، حکومت اور سطوت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہی از روئے قرآن کریم مومن و اعمالِ حسنہ کرنے والی جماعت کی پاک اور برکت والی زندگی تھی۔ صحابہ کرام قرآن مجید کے نورِ ایمان۔ علم اور حکمت سے بہرہ ور ہوکر قانونِ فطرت کا بغور مطالعہ کرتے تھے کہ جس پر دینی اور دنیوی بہبودی کا انحصار ہے۔ ان کے اندر اللہ کا ایمان اس قدر مستحکم تھا کہ اس کا ذکر آتے ہی ان کے دل کپکپا جاتے تھے۔ وہ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنے متعلقین سے قطع تعلق کر لیتے تھے۔ وہی لوگ جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ کے صحیح مصداق تھے۔ راہ خدا میں جہاد اور ہجرت کرتے تھے۔ اور ایسے وقت میں لنگ عذرات نہ کرتے تھے۔ مجاہدین پر اپنا مال خرچ کرتے تھے وہ اللہ کے راستوں میں مصیبتوں اور تکلیفوں کا ثابت قدمی، صبر نماز اور استقلال سے مقابلہ کرتے تھے دنیا کے اندر جم کر رہتے تھے۔ اللہ کی شریعت مضبوطی سے تھامے رکھتے تھے اور فرقہ بند نہیں تھے۔ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے صحیح نمونہ تھے۔ وہ تقویٰ سعی و عمل سے قرب خدا کی تلاش کرتے تھے اور اللہ کے سوائے کسی دنیوی طاقت یا حکومت سے نہیں ڈرتے تھے۔ نہ کبھی مایوس ہوتے تھے اور نہ کبھی حزین ہوتے تھے۔ ان کا واحد مدعا اولیائے خدا بن کر زمین کو اپنی وراثت میں لینا تھا۔ وہ اپنے امیر کے کامل طور پر مطیع رہتے تھے۔ وہ احکام خداوندی کا پورا پورا اتباع کرتے تھے۔

ہمارے ایمان اس قدر ضعیف ہو چکے ہیں کہ ہم ان کے کارناموں کو پڑھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کیا ان جیسے اعمال حسنہ کا بجا لانا کوئی سہل کام ہے۔ ہمارے لئے آج لائحہ عمل، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا ظاہری ڈھانچہ ہے کہ جسے ہم رسمی طور پر پورا کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ ہماری نجات کے واسطے کافی ہے کیا یہ ارکان وہی نتائج پیدا کرتے ہیں کہ جو جماعت مؤمنین کی دنیوی زندگی کے خصوصی امتیازات تھے۔ ہمارے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ موجود ہے۔ مگر اس پر عمل کرنے کی توفیق نہیں رہی ہے۔ ہم انہی ارکان کی ظاہری شکل کو پورا کرنے میں سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارے پاس بہشت کی کلید آچکی ہے۔ قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے جو اپنے اندر زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اگر ہم میں اہلیت نہیں تو جو چیز ہماری ہے اس پر دوسرے قابض ہو جائیں گے۔ ہماری ذہنیت اس حد تک گر چکی ہے کہ آج ہم قرآن میں جہاں جہاں کامیابی۔ فلاح

سرخروئی۔ تمکنت۔ فوز عظیم۔ رزق کریم۔ حسن مآب۔ وراثت زمین کے متعلق پڑھتے ہیں۔ انھیں آخرت کی زندگی سے وابستہ اور متعلق خیال کرتے ہیں۔ اس دنیا کو یکسر دارالعمل اور اُخروی زندگی کو دارالجزا مانتے ہیں۔ ہمارا کوئی ایسا عمل نہیں کہ جس کا نتیجہ اس دنیا میں برآمد ہو۔ باوجود عقیدہ کی شدت اور ارکان دین کے پورا کرنے اور تسبیح و تقدیس میں منہمک رہنے کے ہماری دنیاوی حالت دن بہ دن روبہ تنزل ہے۔

بہ بندِ صوفی و مُلّا اسیری   حیات از حکمت قرآن نگیری
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست   کہ از یٰسین او آساں بمیری

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (ہم نے موت اور زندگی پیدا کر دی ہے تاکہ ہم آزمائیں کہ کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے) یعنی اچھے اعمال کا سرزد ہونا حیات ہے اور بُرے اعمال قوم کی موت ہے۔ ہمارا اپنی جسمانی۔ دماغی اور اخلاقی قوتوں کو مکمل بنانا اپنے لئے فائدہ حاصل کرنا اور بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانا عمل صالح ہے۔ آج جن قوموں کی جسمانی۔ دماغی اور اخلاقی حالتیں ترقی یافتہ ہیں۔ وہ نئی نئی ایجادوں تجربوں اور تحقیقاتوں میں روپیہ بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ جانیں قربان کرتے ہیں۔ مگر وہ اس بات پر ثابت قدم رہ کر کامیاب ہو جاتے ہیں، کیا یہ عمل نتیجہ خیز ہے؟ یا یہ کہ دو فریق جمع ہیں۔ روح و مادہ کی قدامت پر بحث ہو رہی ہے۔ حیات و وفات مسیح کے مسئلہ پر تُو تُو مَیں مَیں ہو رہی ہے۔ نجات کے واسطے کونسا عقیدہ ٹھیک ہے۔ تعزیے اور ختم و درود ٹھیک ہیں کہ نہیں۔ الغرض ایک طوفان برپا ہے۔ ہزاروں روپیہ انھیں مشغلوں میں بذریعہ اشتہارات ضائع ہوتا ہے۔ یہ الٰہیات کے جھگڑے برسوں سے چل رہے ہیں۔ کفر بازی کا ایک تلاطم بپا ہے۔ کیا ان باتوں کو عمل اور کردار سے تعلق ہے کہ جن سے قوم میں صلاحیت پیدا ہو۔

ابن مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے   ہیں صفاتِ ذاتِ حق حق سے جدا یا عین ذات
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے   یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم   اُمت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا مسلماں کے لئے کافی نہیں اس دور میں   یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات

ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے — یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے
تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے — تا بساطِ زندگی میں اسکے سب مُہرے ہوں مات

کیا متاعِ فطرت سے مستفید ہونے والی قوم ہم ہیں یا وہ لوگ جو علم الاشیاء کے حصول کے بعد علم و حکمت کے سمندروں میں غوطہ زنی کر کے بیش قیمت موتی نکالتے ہیں اور دنیا کی زیبائش میں مدد دیتے ہیں۔ اس وقت تک جس قدر علوم انسان نے حاصل کئے ہیں وہ سب ثوابت و سیار کی اشکال و حرکات کے مشاہدہ کرنے اور ان پر غور و فکر کرنے اور جس قدر کرۂ ارض پر مظاہر قدرت ہیں ان سب کے مطالعہ سے اور تجربات کے ذریعہ سے حاصل کئے ہیں مگر اس میں شبہ نہیں کہ ان اقوام نے بدبختی سے اپنے کاروبار سے "اللہ کے ایمان" کو الگ کر دیا۔ اور اپنی کوششوں کے نتائج کو قوانین الٰہیہ کی ترازو سے نہ ناپا۔ جس کی وجہ سے ان میں فساد رونما ہو گیا۔ لیکن بہرحال وہ ہم سے تو ایک قدم آگے رہے مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارے اندر نئے نئے "فرشتے" پیدا ہو کر ہمیں دنیا سے نفرت دلاتے ہیں اور چند ایک من گھڑت عقیدوں پر لگا کر زندگی کی کشمکش سے بے نیاز کر دیتے ہیں ؎

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم — جس نے مؤمن کو بنایا مہ و پرویں کا اسیر
تن بتقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز — تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
تھا جو ناخوب دہی خوب ہوا — کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

یہ خیر الامت جو دنیا کی رہنمائی کے واسطے پیدا کی گئی تھی۔ آج دوسروں کی رہنمائی کی محتاج ہو رہی ہے نہ انھیں یہ غرض ہے کہ اپنی جسمانی طاقت کو بڑھائیں نہ علم اور حکمت سے کوئی واسطہ ہے کہ جنہیں حاصل کر کے قومیں دنیا میں ترقی کے افلاک تک پہنچ جاتی ہیں۔ ہم تو آپس میں ایک دوسرے پر کلہاڑی چلانا ہی مدارِ نجات سمجھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمان کو ذلت اور مسکنت ہر طرف سے گھیر رہی ہے اور روٹی کا محتاج نظر آتا ہے ؎

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو — کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی
مثالِ ماہ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود — خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی

آبِ حیات کا چشمہ کہ جسے پی کر پھر زندگی پیدا ہو وہ ایمان۔ تقویٰ خشیت اللہ۔ علم اور حکمت کے سمندر میں پنہاں ہے۔ اس کے واسطے تزکیۂ قلب - دیدہ ریزی۔ دماغ سوزی۔ جدوجہد سعی و عمل درکار ہیں۔ بڑی تنظیم کی ضرورت ہے۔ ہمیں قرآن نے بتادیا کہ ہماری پوزیشن اس دنیا میں ایک مخدوم کی ہے۔ وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ توپھر ہمارا ان اعمال حسنہ پر کاربند ہونا کہ جن سے ہماری ملت دنیا میں پھر زندہ اور پایندہ ہو جائے۔ خدا کا بول بالا ہو جائے۔ رسولؐ کا نام روشن ہو جائے ہماری بگڑی بن جائے۔ ازبس ضروری ہے۔ ان کے حصول کے لئے خواہ ہمیں موت کی گھاٹی میں جانا پڑے سمندر کی لہروں سے ہاتھا پائی کرنی پڑے۔ پہاڑوں سے سر ٹکرانا پڑے یہ سب کچھ کرنا ہوگا۔ اگر ہم میں عزم راسخ ہے تو دکھ اور تکلیف اور مصیبت کو صبر سے برداشت کرتے ہوئے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کریں۔ یہی ہماری فلاح ہے ؎

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا — نوائے زندگانی نرم خیز است

بدریا غلط با موجش در آویز — حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

ہمارے رہنما۔ قابل احترام ملا اور صوفی اور سجادہ نشین اس کشمکش حیات کے طوفان سے بیخبر اب تک حجروں اور خانقاہوں کے اندر ہُو ہا کے نعرے لگا رہے ہیں اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہیں ان کے نزدیک یہ دنیا ایک مردار ہے اور اس کا طالب کُتا ہے۔ انھیں کیا پرواہ ہے کہ ملت کو کن مشکلات کا سامنا ہے۔ وہ بہشت اور حور و غلمان کے منتظر خاک کے آغوش میں بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ موت کی انتظار میں گھڑیاں گن رہے ہیں کہ کب جسدِ خاکی سے روح جدا ہو اور وہ بہشت میں داخل ہو جائیں وہ کیا جانیں کہ ہزاروں برس کے مردے جنہیں بانگ اسرافیل بھی زندہ نہیں کرسکتی تھی۔ وہ فطرت کے تقاضوں کے ماتحت حشر برپا کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں اور اپنی استعداد اور قابلیت کے اعمالنامے دکھا کر اپنے حقوق چھین رہے ہیں ؎

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ — مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت — دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا

دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی　　دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

قرآن تمام امتیازی نشانات کو جو دولت اور نسب کی بنا پر ہیں باطل قرار دیتا ہے۔ مالدار وہ ہے جو دولت کا امین ہے۔ معزز وہ ہے جس کے اعمال سب سے اچھے ہیں۔ ہماری زندگی کا مقصد واحد خدا کے فرمانبردار بندے ہی بنتا ہے۔ اور ہمیں اپنے ملی وقار کو قائم رکھنا ہے۔ ہم اپنے دین کو کسی دنیوی مفاد کے لئے فروخت نہیں کرسکتے۔ اگرچہ ہماری فلاح کا راستہ مہیب اور خوفناک ہے کہ جس میں سانپ اور بچھو کاٹنے کے واسطے تیار بیٹھے ہیں اور ہر ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہے۔ لیکن کیا لعل و جواہر زمین کا جگر چیر کر نہیں نکالے جاتے۔ کیا بیش قیمت موتی سمندر کی تہ میں نہیں ملتے ہیں۔ اور غوطہ زنی شرط نہیں ہے؟ اگر ہم میں ایمان تقوی، خشیت اللہ، عزم راسخ، عمل مسلسل، اتحاد باہمی، اُخوت اور جذبہ فدائیت ہے تو ہم اپنے نصب العین کو حاصل کرسکتے ہیں ؎

زخاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست
کہ تجلیِ دگراں درخور تقاضا نیست

رکھ کر اپنی جدوجہد میں مصروف رہے اور یہ اس جدوجہد ہی کا نتیجہ کہ حالات کی ناسازگاری کے باوجود ہندوستان میں اسلام الحمدللہ زندہ رہا۔ ان تمام تاریخی واقعات کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے

ماہنامہ الفرقان بریلی کا ولی اللہ نمبر ملاحظہ فرمائیے

جو ان تمام تاریخی حقائق کو سامنے رکھ کر قریبًا ایک سال میں بڑی محنت اور کاوش سے تیار کیا گیا ہے اور جس کی تیاری میں ادارہ الفرقان کے علاوہ مولانا سلیمان صاحب ندوی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی جیسے ملک کے مشاہیر اہل قلم و اربابِ تحقیق نے بھی خاص حصہ لیا ہے۔ ضخامت اب چار سو صفحات کے قریب پہنچ گئی ہے۔ کتابت طباعت اور کاغذ اس انتہائی گرانی کے زمانہ میں بھی نہایت اعلیٰ ہے اشاعت سے پہلے پیشگی بھیجنے والوں کے لئے قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ اشاعت کے بعد اور وی۔پی منگوانے والوں سے دو روپیہ (عہ)

المعلن ناظم **دفتر الفرقان** بریلی۔ (یو۔پی)

اسلامی ہند کے طوفانی عہد میں خدا کا ایک وفادار بندہ!

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان کے علمی حلقوں میں بھی عموماً صرف اس حیثیت سے جانا جاتا ہے کہ وہ ایک مشہور اور بڑے درجہ کے محدث تھے۔ لیکن علوم دین واسرار شریعت میں ان کی جو بے نظیر وہمہ گیر مجددانہ ومجتہدانہ شان ہے اس کے جاننے والے شاید انگلیوں پر شمار ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی سیاسی تبدیلیوں سے ان کا جو گہرا تعلق رہا ہے ان کا علم رکھنے والے تو شاید اتنے بھی نہیں۔

حالانکہ اسلامی ہند کی سیاسی تاریخ میں سب سے اہم اور ہم مسلمانوں کیلئے ناقابل فراموش دور شاہ صاحب ہی کا زمانہ ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی ولادت حضرت اورنگزیب عالمگیرؒ کی وفات سے چار سال پہلے ہوئی تھی اور وفات اس شاہ عالم کے عہد میں ہوئی جس نے بنگال وبہار کی دیوانی کلایو کے ذریعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کی تھی۔

شاہ صاحبؒ کی زندگی میں مغلیہ تخت پر دس بادشاہ!

گویا شاہ صاحب کی زندگی میں مغلیہ تخت پر یکے بعد دیگرے دس بادشاہ بیٹھے جن کے نام بالترتیب یہ ہیں، عالمگیر[1]۔ بہادر شاہ[2]۔ معزالدین[3] جہاندار شاہ فرخ سیر[4]۔ رفیع الدرجات[5]۔ رفیع الدولہ[6]۔ محمد شاہ (المعروف بہ رنگیلا) ابوالنصر احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی[9]۔ شاہ عالم[10]۔

اس دور کے سیاسی فتنے اور خونی انقلابات

ان سلاطین کے عہد میں ہندوستان کو جن مہیب اور خونی واقعات اور تاریکی انقلابات سے گزرنا پڑا تاریخ داں طبقہ اس سے اچھی طرح واقف ہے سادات بارہ کا فتنہ۔ شہزادہ فرخ سیرؒ کا ان کے ہاتھوں قیدیں لعد بیکسی مرنا، دربار کے تورانی امراء کے ہاتھوں ان سادات کا زوال، مرہٹوں کی سرکشی کا انتہائی عروج سکھوں کا خونی فتنہ۔ نادرشاہ کا قتل عام، احمد شاہ ابدالی کا پانی پت کے میدان میں ایک فیصلہ کن جنگ کے ذریعہ ہندوستان کی تاریخ کا رخ بدل دینا روہیلوں کا ہندوستان کی سیاست میں حصہ لینا، مغربی قوتوں کا تدریج ملک کی سیاست میں دخیل ہوتے چلے جانا، پھر بنگال ومدراس کے بعض علاقوں پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہونا۔ تقریباً یہ سارے واقعات شاہ صاحبؒ کی زندگی ہی میں پیش آ گئے تھے۔ اور شاہ صاحبؒ ان سے بے تعلق نہ تھے بلکہ ایک خاص پروگرام کے ماتحت وہ ایک مخصوص مقصد کو سامنے رکھ کر

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

اپیل بنام ہمدردانِ ملّت

دنیا اس وقت ایک نہایت نازک دور سے گذر رہی ہے۔ یورپ کی موجودہ جنگ روز بروز ہولناک صورت اختیار کرتی جارہی ہے۔ قدیم سلطنتیں اور آزاد جمہوریتیں محض افسانہ بن کے رہ گئی ہیں۔ وہ دن دور نہیں جبکہ یہ آگ ساری دنیا پر محیط ہوجائے۔ ہٹلر کی حیرت انگیز فتوحات نے دوسرے ممالک میں بھی .... آتش حرص و آز اور ہوس ملک گیری کو تیز کردیا ہے۔ اگر ایک طرف یورپ میں جرمن اور اٹلی ایک نئے نظام کی تشکیل میں مصروف پیکار ہیں تو دوسری طرف جاپان مشرق بعید میں چین کی عظیم الشان سلطنت کو تاخت وتاراج کرنے میں کوشاں ہے۔

ہندوستان کی سیاست نے اس وقت ایک عجیب شکل اختیار کرلی ہے۔ گاندھی جی اور ان کے ساتھیوں کو مکمل کانگریس راج کا خواب جو ایک نقش موہوم سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا اس وقت پورا ہوتے دکھائی دیتا ہے انہوں نے اپنی قدیم ذہنیت کے مطابق اس بات کا فیصلہ کرلیا ہے کہ سول نافرمانی کے فرسودہ ہتھیار سے برطانیہ کے قوت و اقتدار کو ہتھیالیں

اس نازک وقت میں مسلمانان ہند کے لئے ضروری ہے کہ وہ معرضِ خطر سے نکلنے کی پوری جدوجہد کریں اور اس جہاد ملی میں اپنی پوری کوشش کے ساتھ شریک ہوں تب ہی ممکن ہوسکتا ہے کہ ان کی کشتی گمراہی کے منجدھار سے نکل سکے۔ اور وہ آزاد ہندوستان کے سیاسی مستقبل میں اپنے لئے بھی کوئی جگہ پیدا کرسکیں۔ قوم کی اس جدوجہد کے لئے ضروری ہے کہ ان کی آواز اجتماعی طور پر ایک ہو۔ جو ان کا قائد اعظم کرے اس کو اپنا سمجھ کر بجالا دیں۔ مگر یہ آواز ملک کے گوشہ گوشہ میں جب ہی پہونچ سکتی ہے جبکہ مسلمانوں کی اپنی آزاد خبر رساں ایجنسی ہو۔ اس کی ضرورت کا اکابر ملت کو مدت سے احساس رہا اور اس کی اہمیت کو غایت درجہ محسوس کرتے رہے ہیں مسلمانوں کے مفاد کو اس کمی کی وجہ سے سخت نقصان پہونچ رہا ہے ان کی اپنی کوئی نیوز سروس نہیں ہے اور دوسری نیوز ایجنسیوں سے اس امر کی توقع نہیں کیجاسکتی کہ وہ اسلامی نیوز ایجنسیوں کی طرح مسلمانوں کی خدمت کریں گی۔

خدا کا شکر ہے کہ حالات نے مساعدت کی اور اب ایک مستقل خبر رساں ایجنسی بنام اورینٹ پریس آف انڈیا لمٹیڈ قائم کی گئی ہے۔ اس کا مرکزی ادارہ نئی دہلی ہے اور معاون ادارے تمام صوبجات کے شہروں میں قائم کیے جارہے ہیں۔ اس کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس میں قوم کے اکابر ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے شامل ہیں جن کے لئے ملی فلاح.... ہاں قوم سے امید کیجاتی ہے کہ وہ خود بھی اس کار خیر میں شریک ہوں اور دوسروں کو بھی اس میں حصہ لینے کی ترغیب فرمائیں۔

معاملہ کی ضروری باتیں

(۱) طلوع اسلام ہر انگریزی مہینے کی یکم کو التزاماً شائع ہوجاتا ہے اور نہایت احتیاط سے حوالۂ ڈاک کیا جاتا ہے

(۲) رسالہ موصول نہ ہونے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ۔ دس تاریخ تک دیجئے۔ ورنہ بعد میں شاید پرچہ موجود نہ ہو اور اگر موجود بھی ہوگا تو بلا قیمت نہ مل سکے گا۔

(۳) تبدیلی پتہ کی اطلاع ۲۵ تاریخ سے پہلے پہلے آجانی چاہئے۔

(۴) جس ماہ کی خریداری کا چندہ ختم ہوتا ہے اس مہینہ کے پرچہ کے اندر ایک اطلاع (جوابی کارڈ) رکھدیا جاتا ہے۔ جواب ایک ہفتہ کے اندر اندر آجانا چاہئے۔

(۵) چندہ سالانہ پانچ روپیہ معہ محصول ڈاک ہے اور قیمت فی پرچہ (۸/) چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں خریدار کو کفایت اور منتظمین کو سہولت رہتی ہے

(۶) ہر رقم موصولہ (خواہ وہ کسی ذریعہ سے موصول ہو) کی ایک رسید بھیجی جاتی ہے۔

(۷) وی۔پی طلب کرنے کے بعد اُسے وصول نہ کرنا ادارہ کو بلا جرم سزا دینے کے مترادف ہے۔

(۸) منی آرڈر کرتے وقت اپنا پتہ پورا اور صاف لکھئے۔ نیز رقم کی تفصیل بھی درج فرمائیے

(۹) آپ اپنا تعارف نمبر خریداری کے ذریعہ سے ہی کرا سکتے ہیں اس لئے اس نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے ورنہ ہمیں بے حد دقت اور آپ کو ناواجب شکایت ہوگی۔

(۱۰) نمبر خریداری یاد نہیں رہا کرتا۔ کہیں نوٹ کر چھوڑیے۔

(۱۱) "طلوع اسلام" کوئی تجارتی ادارہ نہیں بلکہ ملت اسلامیہ کے اجتماعی مقاصد کی نشرواشاعت کا ذریعہ ہے اس لئے اس سے اشتراک عمل اور معاونت ایک ملّی خدمت ہے۔

(۱۲) خوش معاملگی کی استواری کی بنیاد یہ ہے کہ فریقین ہر وقت خدا کو اپنے درمیان رکھیں واللہ المستعان

(۱۳) نمونے کے پرچے کے لئے ۲/ کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں

ناظم

ادارۂ طلوع اسلام۔ دہلی

Printed at the Jayyed Press, Delhi.
Published by Z. A. K. from Tulue Islam Office, Delhi.